چار بنیادی مقاصدِ حیات

اللہ پر الزام تراشی بند کرو

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

انتساب

میں اس کتاب "چار بنیادی مقاصدِ حیات" کو اپنے والدین کے نام منسوب کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اسے ان کے گناہوں کی معافی اور آخرت میں ان کے درجات کی بلندی کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین! میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دست بستہ دعا گو ہوں کہ وہ ان کے سارے گناہوں کو معاف فرمائے اور مجھے ان کے لئے صدقہ جاریہ بنادے۔ آمین! اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ اس کتاب کو میرے، میرے اہل و عیال، رشتہ داروں، دوستوں اور تمام مسلمانوں کے لیے باعث اجر وہدایت بنائے۔ آمین۔

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

پیش لفظ

اس کتاب کا بنیادی مقصد لوگوں کو یہ تعلیم دینا ہے کہ وہ اپنی غلطیوں، کوتاہیوں اور انسان کے بنائے ہوئے سماجی و معاشی اور سیاسی نظام کے برے نتائج کے لیے اللہ کو مورد الزام نہ ٹھہرائیں۔ اس دنیاوی زندگی کا مقصد عقل کو منطقی طور پر استعمال کرنا، غیب پر ایمان لانا، ہر حال میں صبر کرنا اور اللہ کا شکر ادا کرنا اور دنیا کی زندگی کو اسلامی اخلاق کے ساتھ بسر کرنا سیکھنا ہے۔ غیب پر یقین کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے اپنی شناخت ہمارے شعور میں پیوست کر دی ہے۔ آج جدید سائنسی علوم گواہی دیتے ہیں کہ خالق کی شناخت ہمارے ڈی این اے اور ہمارے شعور میں پیوست ہے۔ ایک سائنسدان گریگ بریڈن اپنی تحقیقی کتاب "دی گاڈ کوڈ" میں گواہی دیتا ہے کہ خالق کی شناخت ہمارے ڈی این اے میں شامل ہے۔ اسی لیے قرآن میں اللہ تعالیٰ ہمیں بتاتا ہے کہ ہم تک جو بھی بھلائی پہنچتی ہے وہ اس کی طرف سے ہے اور جن بد نتائج کا ہمیں سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا براہ راست تعلق ہماری بد اعمالیوں، غلط انتخاب یا معاشرے کے مجموعی اخلاقی زوال سے ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بلواسطہ یا بلاواسطہ تمام برائیاں ہمارے ہاتھ کی کمائی ہیں۔ اللہ ربّ العزت نے انسانوں کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے نوازا ہے اور اس نے سماجی و معاشی رہنمائی (قرآن) بھی بھیجی ہے، جس پر عمل کیا جائے تو انسان دنیا اور آخرت دونوں میں فلاح پا سکتا ہے۔ چونکہ یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت پر عمل کرنے یا اسے رد کرنے کی آزادی دی ہے۔ انتخاب کی یہ آزادی ہمیں ان تمام برائیوں اور مصائب کا ذمہ دار بناتی ہے جو انسانیت کو پہنچتی ہیں، اور ہم آخرت میں اس کے لیے جوابدہ ہیں۔

اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے میرا پہلا باب ہے "اسلام کیا ہے اور مسلمان کون ہے"۔ اسلام ایک سچے خدا (اللہ) کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا نام ہے، اور مسلمان وہ ہے جو اللہ کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے بعد اس کے احکام کی پیروی کرے۔ کوئی مسلمان مسلمان نہیں اگر وہ تمام انبیاء پر ایمان نہیں لاتا۔ قرآن دو جگہ مسلمانوں سے کہتا ہے کہ تمام انبیاء کو بلا تفریق مانو۔ اس کے بعد میں اپنے اصل موضوع "چار بنیادی مقاصدِ حیات" پر تھوڑی سی تفصیل سے بات کروں گا۔ سب سے پہلے میں آدم علیہ السلام کی تخلیق کے پس منظر پر مختصر گفتگو کروں گا۔ اس کے بعد میں تقدیر کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کو دور کرنے کے لیے مختصراً گفتگو کروں گا، پھر میں تقدیر کے بارے میں لوگوں کے تین آراء پر بات کروں گا۔ میں برائی کے وجود پر بھی بات کروں گا جس کا وجود اکثر اچھائی کا راستہ روکنے کی وجہ سے ہوتا ہے، یا جو ہمارے لیے برا ہے وہ دوسروں کے لیے اچھا ہو سکتا ہے، جیسے سانپ کے لیے اس کا زہر ہے۔

اس کے بعد میں اس کتاب کے مرکزی عنوان "ہماری تخلیق کے چار بنیادی مقاصد" پر بات کروں گا۔ اس میں میں اس موضوع پر بھی بات کروں گا کہ امتحان کیا ہے اور یہ کیوں ضروری ہے۔ عقلی مخلوق ہونے کے ناتے، ہمارا پہلا مقصد اپنی عقل کو استعمال کرنا سیکھنا ہے۔ جب ہم کائنات میں، اپنے ارد گرد اور اپنے اندر موجود نشانیوں پر غور کریں گے، تو ہم منطقی طور پر ایک خالق کے وجود کا نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہو جائیں گے، جو وقت، جگہ، مادے اور توانائی سے ماوراء ہے۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ کا عرش ساتوں آسمانوں پر محیط ہے، جب کہ ہماری کائنات پہلے آسمان پر ہے۔ جب ہم کائنات کی نشانیوں میں، اپنے ارد گرد موجود نشانیوں میں اور اپنے اندر موجود نشانیوں میں غور کریں گے، تو ہم ایک ایسے خالق کے وجود کا نتیجہ نکالیں گے جو وقت، جگہ، مادے، توانائی سے آزاد اور کائنات کی حدود سے باہر ہے (ساتوں آسمان سحرا میں پڑی سے بھی کم ہے)۔ خدا کو دریافت کرنے کے بعد زندگی کا دوسرا مقصد خالق (اللہ) سے محبت، اس کی عبادت اور اطاعت ہے۔ جس طرح تمام تخلیق کار اپنی مخلوق سے محبت کرتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے ان کی ماؤں سے ستر گنا زیادہ محبت کرتا ہے۔ یہ ہمیں زندگی کے سب سے اہم تیسرے مقصد تک لے آتا ہے۔ ہم یہاں ایک دوسرے کے ساتھ امن سے رہنا سیکھنے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ مومن کی دو چیزیں معاف نہیں کرے گا، شرک اور مخلوق کے حقوق۔ زندگی کا چوتھا مقصدِ حیات یہ ہے کہ علم حاصل کرنے (عقل کا استعمال سیکھنے)، خالق کو پہچاننے (کائنات میں موجود نشانات، ہمارے ارد گرد موجود نشانات اور ہمارے اندر موجود نشانیوں کے ذریعے)، اس کی صفات کو اپنانے (یعنی اللہ کے رنگوں میں رنگنے) اور ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینے کے بعد جہاں لوگ امن اور ہم آہنگی کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہوں، پھر لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا اور ان کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرنا ہے۔

اس کے بعد میں قرآنی آیات سے اللہ قادرِ مطلق پر بحث کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمام بھلائی اسی کی طرف سے ہے اور ہر مصیبت جو پڑتی ہے وہ ہمارے اپنے ہاتھ کی کمائی ہے۔ اس کے بعد میں ایک اور اہم موضوع کی طرف آؤں گا "اللہ پر الزام لگانا بند کرو" یہ ثابت کرنے کے بعد کہ ہماری تمام بدقسمتی کے ذمہ دار ہم خود ہیں، یہ ہمارا نظام اس کا ذمہ دار ہے۔ پھر میرا موضوع اور سوال یہ ہے کہ کیا اللہ کو ہماری محبت کا محور نہیں ہونا چاہیے؟ آخر میں میں اپنی کتاب کا اختتام امت کو نصیحت پر کروں گا۔

آپ کی دعاؤں کا طالبگار

عبدالحلیم صدیق

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

انڈیکس

نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
1	اسلام کیا ہے اور مسلمان کون ہیں	5
2	تقدیر اور ہماری تخلیق کے چار مقاصد	7
3	پس منظر	8
4	چار مقاصدِ حیات اور امتحان	13
5	ہماری تخلیق کا پہلا مقصدِ حیات اور امتحان	18
6	ہماری تخلیق کا دوسرا مقصدِ حیات اور امتحان	25
7	ہماری تخلیق کا تیسرا مقصدِ حیات	38
8	ہماری تخلیق کا چوتھا مقصدِ حیات اور امتحان	59
9	خلاصہ چار مقاصد کا	61
10	انسان عام طور پر پوچھتا ہے	62
11	اللہ قادرِ مطلق	65
12	اللہ پر الزام تراشی بند کرو	68
13	کیا اللہ کو ہماری محبت کا محور نہیں ہونا چاہیے	81
14	امت کو میری نصیحت	83

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

اسلام کیا ہے اور مسلمان کون ہیں

اسلام کا مطلب اللہ کے سامنے مکمل سر تسلیم خم کرنا ہے، اور مسلمان وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کرے۔ جو لوگ اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں، وہ پر امن، پر سکون اور اپنی زندگیوں سے مطمئن رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ نے قرآن میں نبیؐ سے کیا کہا: پس حقیقت یہ ہے کہ تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔ بے شک تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے (94:5-6)۔ ایسے لوگ خواہ وہ آدمؑ، نوحؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ یا کسی اور نبی کی پیروی کرتے تھے، یا اب محمدؐ کی پیروی کرتے ہیں وہ مسلمان کہلاتے ہیں (یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دیا)۔ اس لیے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اُس نے تمہارے لیے، دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے، جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا، اور جسے (اے محمدؐ) اب تمہاری طرف، ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے، اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں، اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ یہی بات ان مشرکین کو سخت ناگوار ہوئی ہے جس کی طرف (اے محمدؐ) تم اِنہیں دعوت دے رہے ہو۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنا کر لیتا ہے، وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے، جو اُس کی طرف رجوع کرے (42:13)۔ اسی لیے اللہ قرآن میں کہتا ہے: یقین جانو کہ نبی عربی کو ماننے والے ہوں، یا یہودی، یا عیسائی یا صابی ہوں، جو بھی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا، اُس کا اجر اس کے ربّ کے پاس ہے اور اس کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے (2:62)۔ یہ بعد کی بات ہے کہ علماء کی اندھی تقلید کی وجہ سے لوگ یہودی، عیسائی وغیرہ ہو گئے، جس طرح ہم بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث وغیرہ ہو گئے ہیں، مسلمان ہمیشہ صبر کا مظاہرہ کرتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ آخر کار پرہیز گار ہی کامیاب ہوں گے۔

یاد رکھیں اللہ کو کسی کی ضرورت نہیں اور نہ ہی اسے ہماری نمازوں، ہمارے ایمان یا ہمارے یقین کی ضرورت ہے۔ وہ تمام حاجات اور خامیوں سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے قول کے خلاف نہیں جاتا، نہ غلطی کرتا ہے اور نہ کسی چیز کو نظر انداز کرتا ہے۔ اس لیے وہ صرف وہی قبول کرتا ہے جو اخلاص کے ساتھ پیش کی جائے۔ وہ کسی کو مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کرتا، اگر وہ چاہتا تو سب مسلمان ہوتے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "دین میں کوئی جبر نہیں" اس طرح جبری دین تبدیلی کے تمام دروازے بند کر دیے

گئے۔ بد قسمتی سے، چونکہ لوگ اللہ کی دی ہوئی اپنی عقل کو حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے استعمال نہیں کرتے، اسی لیے تقریباً ہر ایک ایسے مذہب یا فرقے پر ہے جو انھیں اپنے والدین یا معاشرے سے وراثت میں ملا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کی وجہ سے انبیاء کے ذریعے انسانوں کو کرنے اور نہ کرنے، حلال و حرام، حق و باطل، حدود و قیود کے بارے میں ہدایات بھیجیں، ہدایت کی آخری کتاب قرآن مجید ہے۔ قرآن نقص سے پاک ہے چونکہ یہ نقص سے پاک ربّ کی طرف سے ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ مومن دنیا اور آخرت میں فلاح پائیں۔ محمدؐ کے بعد چونکہ کوئی نبی نہیں آنا (سوائے عیسیٰؑ کی واپسی کے)، اس لیے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کی صفات میں رنگے، اور پھر اپنے اخلاق کے ذریعے پوری دنیا تک اسلام کا پیغام پہنچائے۔ باقی ماننا یا نہ ماننا ان پر منحصر ہے۔ اگر وہ مان لیں تو شاید وہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کے عذاب سے بچالیں۔ اللہ کا دین ہمارے لیے مکمل اور کامل ہے، اس میں سمجھوتے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام اللہ کا راستہ ہے، محمدؐ اللہ کے نبی ہیں، لہٰذا جنت میں داخل ہونے کا واحد راستہ اللہ کی اطاعت اور نبیؐ کی سنت پر عمل کرنا ہے۔ نبیؐ نے رحلت سے پہلے فرمایا تھا، "کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں قرآن اور اپنی سنت"۔ بد قسمتی سے ہم قرآن کو عربی میں سمجھے بغیر پڑھتے ہیں۔ قرآن ہماری آئینی کتاب ہے، ہم کیوں اس کا مطالعہ نہیں کرتے اور آخرت کے معاملات پر کیسے دوسروں پر انحصار کر سکتے ہیں کہ وہ ہمیں بتائیں کہ ہمارے ربّ نے ہمیں کیا حکم دیا ہے؟ جبکہ دنیاوی معاملات میں ہم خود تحقیق کرتے ہیں اور دوسروں سے مشورے بھی کرتے ہیں۔ پھر کیا ہمیں عربی نہیں سیکھنی چاہیے یا کم از کم قرآن کو ترجمہ کے ساتھ پڑھنا اور اس پر غور نہیں کرنا چاہیے؟

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

تقدیر اور ہماری تخلیق کے چار مقاصد

پس منظر: تخلیق آدم کی حقیقی کہانی جو قرآن کچھ یوں بیان کرتا ہے: پھر ذرا اُس وقت کا تصور کرو جب تمہارے ربّ نے فرشتوں سے کہا تھا کہ "میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔" انہوں نے عرض کیا: "کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں، جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور خوں ریزیاں کرے گا؟ آپ کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کی تقدیس تو ہم کر ہی رہے ہیں (انہیں تجسس تھا کہ اللہ کیوں ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہے جو زمین پر فساد برپا کرے گی)۔ "فرمایا، میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے"۔ اس کے بعد اللہ نے آدمؑ کو ساری چیزوں کے نام سکھائے (اسے عقل دی تھی)، پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا "اگر تمہارا خیال صحیح ہے (کہ انسانی خلیفہ کے تقرر سے اِنتظام بگڑ جائے گا) تو ذرا اِن چیزوں کے نام بتاؤ۔ "اُنہوں نے عرض کیا" نقص سے پاک تو آپ ہی کی ذات ہے ہم تو بس اُتنا ہی علم رکھتے ہیں، جتنا آپ نے ہم کو دے دیا ہے۔ حقیقت میں سب کچھ جاننے اور سمجھنے والا آپ کے سوا کوئی نہیں" (2:30-32)۔ یہاں میرے ذہن میں سوال آیا کیا کوئی فرعون کا وزیر اس سے اس طرح سوال کر سکتا تھا؟ نہیں! یہ رحیم قادر مطلق اللہ ہے جو نہ صرف ایسا ہونے دیتا ہے بلکہ اس کی وضاحت بھی کرتا ہے۔ ہم اور ہمارے علماء اپنے مہربان قادر مطلق ربّ کو کس طرح پیش کرتے ہیں؟ اس لیے قیامت کے دن کسی کے پاس فرار کا کوئی بہانہ نہیں ہو گا۔ ہائے ربّا تیری قدر نہ کی، یہ حق تھا تیرا۔ سبحان اللہ!

اللہ تعالٰی نے انسان کو عقل عطا کی جس کی وجہ سے اسے دوسری مخلوقات پر فوقیت حاصل ہے۔ قرآن میں اللہ فرماتا ہے: یہ حقیقت ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جن کو ہم نے جہنم ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔ **ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں۔ ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں۔ ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے، یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں** (یعنی وہ لوگ جو خالق کو پہچاننے کے لیے عقل سے کائنات میں غور و فکر نہیں کرتے) (7:179)۔ عقل سے کام لینے والوں اور چوپایوں کی طرح کام کرنے والوں میں فرق یہ ہے کہ عقل سے کام لینے والے جب کوئی گناہ کرتے ہیں تو فوراً اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں (آدمؑ کی طرح)، جب کہ جو عقل سے کام نہیں لیتے وہ اپنے کیے پر اللہ کو

موردالزام ٹھہراتے ہیں (شیطان کی طرح)۔قرآن بتاتا ہے: شیطان بولا، "اچھا تو جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے میں بھی اب تیری سیدھی راہ پر ان انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا، آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں، ہر طرف سے ان کو گھیروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا" (7:16-17)۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ اپنے توبہ کرنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے۔

پھر اللہ قرآن میں شیطان اور انسان سے اس کی دشمنی کا ذکر کرتے ہوئے پوچھتا ہے: آدم کے بچو، کیا میں نے تم کو ہدایت نہ کی تھی کہ شیطان کی بندگی نہ کرو (یعنی شیطان کے نقش قدم پر نہ چلنا)، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، اور میری ہی بندگی کرو، یہ سیدھا راستہ ہے؟ اس کے باوجود اس نے تم میں سے ایک گروہِ کثیر کو گمراہ کر دیا۔ کیا تم میں عقل نہیں تھی؟ یہ وہی جہنّم ہے جس سے تم کو ڈرایا جاتا تھا (36:60-63) مزید تنبیہ کرتے ہوئے کہا: لوگو! زمین میں جو حلال اور پاک چیزیں ہیں، انہیں کھاؤ اور شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر نہ چلو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، تمہیں بدی اور فحش کاموں کی رغبت دیتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ تم اللہ کے نام پر وہ باتیں کہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے کہ وہ اللہ نے فرمائی ہیں (2:168-169)۔

تقدیر: "تقدیر" کے حوالے سے شیطان نے اکثریت کو اللہ کی قدرت اور تقدیر کے تصور کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر کے گمراہ کیا۔ تقدیر کے بارے میں تین قسم کے نظریات پائے جاتے ہیں: پہلی قسم کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ نے انہیں پورا اختیار دیا ہے کہ وہ جو چاہیں کریں، کوئی پوچھ گچھ نہیں ہو گی۔ یہ بات اس چیز کی نفی کرتی ہے جو اللہ قرآن میں فرماتا ہے۔ دوسرے گروہ کا یہ ماننا ہے کہ اللہ نے ان کے لیے پہلے سے ہی گناہ مقدر کر رکھے ہیں، چناچہ وہ ان کو ان چیزوں کا ذمہ دار ٹھہرائے گا جن پر ان کا اختیار نہیں تھا۔ یہ سوچ اللہ کی صفتِ عدل کی نفی ہے۔ تیسرے گروہ کا خیال ہے کہ اللہ ان کو ان اعمال کے لیے ذمہ دار ٹھہرائے گا جن پر ان کا اختیار تھا، اور ان کا ان اعمال پر مواخذہ نہیں کرے گا جن پر ان کا اختیار نہیں تھا۔ یہ اسلام کا اصل تصور ہے۔ اسی لیے قرآن کہتا ہے: مومنوں کو جب کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ اس پر اللہ کی حمد و ثناء اور اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اللہ سے معافی طلب کرتے ہیں، استغفار کرتے ہیں۔ ان کا یہ بھی ماننا ہے کہ اگر وہ ان معاملات میں ثابت قدم رہیں اور صبر سے کام لیں جو ان کے بس سے باہر ہیں تو بھی آخر کار اللہ کے فضل سے ان کے لیے فائدہ مند ہوں گے۔

اگرچہ ملحد سائنس دانوں سے اتفاق کرتے ہیں، جن کا دعویٰ ہے کہ آخر کار وہ ڈائنوسار کو اس کے برآمد شدہ ڈی این اے سے دوبارہ پیدا کرنے کے قابل ہو جائیں گے، پھر بھی پوچھتے ہیں کہ جس نے ہمیں عدم سے پیدا کیا وہ حساب لینے کے لیے ہمیں کیسے زندہ کرے گا؟ قرآن اس کا یوں جواب دیتا ہے: اب وہ ہم پر مثالیں چسپاں کرتا ہے، اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے۔ کہتا ہے "کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا جبکہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟" اس سے کہو، انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے انہیں پیدا کیا تھا، اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے(36:78-79)۔ مزید قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے، پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا اور یہ اس کے لیے آسان تر ہے (ڈی این اے کا ڈیزائن موجود ہے)۔ آسمانوں اور زمین میں اس کی صفت سب سے برتر ہے اور وہ زبردست اور حکیم ہے۔ وہ تمہیں خود تمہاری اپنی ہی ذات سے ایک مثال دیتا ہے۔ کیا تمہارے ان غلاموں میں سے جو تمہاری ملکیت میں ہیں کچھ غلام ایسے بھی ہیں جو ہمارے دیے ہوئے مال اور دولت میں تمہارے ساتھ برابر کے شریک ہوں اور تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح آپس میں اپنے ہمسروں سے ڈرتے ہو، اس طرح ہم آیات کھول کر پیش کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ مگر یہ ظالم بے سمجھے بوجھے اپنے تخیلات کے پیچھے چل پڑے ہیں۔ بھلا کون اس شخص کو راستہ دکھا سکتا ہے جسے اللہ نے بھٹکا دیا ہو، ایسے لوگوں کا تو کوئی مددگار نہیں ہو سکتا(یعنی وہ جو غور و فکر سے عاری ہوں)۔ پس (اے نبیؐ، اور نبیؐ کے پیروؤ) یکسو ہو کر اپنا رُخ اس دین کی سمت میں جما دو، قائم ہو جاؤ اُس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی، یہی بالکل راست اور درست دین ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں(30:27-30)۔

جب ہم کائنات اور اللہ کی کتاب میں موجود نشانیوں میں غور نہیں کرتے، تو یہ ہوتا ہے کہ: قریش کے لوگ اگرچہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے پیروکار تھے، لیکن جب انہوں نے اپنے علماء اور پیشواؤں کی اندھی تقلید شروع کی تو نتیجہ یہ نکلا: کہ اہلِ قریش جب کسی کام کا ارادہ کرتے اور راستہ میں وہ کسی درخت کے پاس سے گزرتے تو اس پر ایک پتھر مارتے۔ اگر درخت پر بیٹھے پرندے داہنی طرف اڑتے تو وہ اسے نیک شگون سمجھتے اور جس چیز کا انہوں نے ارادہ کیا ہوتا اسے کر گزرتے، اور اگر درخت پر بیٹھے پرندے بائیں طرف اڑتے تو وہ اسے بدشگونی سمجھتے، اور جس چیز کا انہوں نے ارادہ کیا ہوتا اسے یا تو ترک کر دیتے یا ملتوی کر دیتے

(یعنی وہ توہم پرست اور مشرک بن گئے)۔اسی لیے قرآن میں اللہ فرماتا ہے: ہم نے ہر انسان کا شگون اس کے گلے میں لٹکا رکھا ہے (یعنی تقدیر اس کے اپنے ہاتھ میں تھی)۔اور قیامت کے روز ہم ایک نوشتہ اُس کے لیے نکالیں گے جسے وہ کھلی کتاب کی طرح پائے گا۔(کہا جائے گا) پڑھ اپنا نامۂ اعمال۔آج اپنا حساب لگانے کے لیے تو خود ہی کافی ہے۔(17:13-14)۔یعنی اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے آپ پر خود ظلم کیا۔تب انہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیوں جنت میں ہیں یا جہنم میں۔قرآن میں اللہ تعالیٰ نے خبر دار کیا: اور جب اُن سے کہا گیا کہ جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں اُسی طرح تم بھی ایمان لاؤ، تو اُنہوں نے یہی جواب دیا کہ کیا ہم بیوقوفوں کی طرح ایمان لائیں؟ خبردار! حقیقت میں تو یہ خود بے وقوف ہیں، مگر یہ جانتے نہیں ہیں (عقل استعمال کرنے کو تیار نہیں)(2:13)۔اندھی تقلید کرنے والے آخرت میں اپنے پیشواؤں اور علماء سے کہیں گے: "تم ہمارے پاس سیدھے رُخ سے آتے تھے۔" وہ جواب دیں گے، "نہیں، بلکہ تم خود ایمان لانے والے نہ تھے، ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا، تم خود ہی سرکش لوگ تھے۔آخر کار ہم اپنے ربّ کے اس فرمان کے مستحق ہو گئے کہ ہم عذاب کا مزہ چکھنے والے ہیں۔سو ہم نے تم کو بہکایا، کیونکہ ہم خود بہکے ہوئے تھے" (37:28-32)۔مزید قرآن کہتا ہے: حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدلتے (13:11)۔اسی لیے علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

شیخ تقی الدین النبہانی اپنی کتاب "اسلام کے نظام" میں لکھتے ہیں: جو بھی انسان کے اعمال کا گہرائی سے مطالعہ کرتا ہے وہ دیکھے گا کہ انسان دو دائروں میں رہتا ہے۔اندرونی دائرہ میں وہ اللہ کے حکم سے بااختیار ہے، کیونکہ یہ اس کی آزاد مرضی کے دائرہ میں آتا ہے جس کے لیے وہ آخرت میں جوابدہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی رہنمائی کے ذریعے انسان کو صحیح اور غلط کا راستہ دکھایا اور اسے آزادی دی کہ وہ جس راستے کو چاہے چن لے۔اسے عقل اور اختیار دیا گیا ہے کہ وہ فطرت (قرآن میں تجویز کردہ) کا مطالعہ کرے اور اس میں ردوبدل کرے۔اگر تبدیلی یا تخلیق کردہ چیزیں انسانیت کے لیے اچھی ہیں تو اسے اس کا اجر ملے گا اور

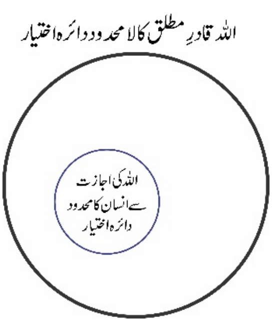

اگر وہ انسانیت کے لیے بری ہے تو اسے آخرت میں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔اس کے تمام اعمال تقدیر کی کتاب میں لکھے ہوئے ہیں۔ جب مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو کمزور ایمان والے تقدیر کی شفافیت پر سوال اٹھانا شروع کر دیتے ہیں۔ خاکہ کے مطابق، اللہ کی مرضی اور حکم ہماری آزاد مرضی پر غالب ہے اگر وہ چاہے۔ پس تقدیر پر ایمان اسلام کے چھ ستونوں میں سے ایک ہے۔ جیسا کہ نبیؐ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ اسلام کے چھ ستونوں پر ایمان لایا جائے:۔i) اللہ پر، ii) اس کے فرشتوں پر، iii) اس کی نازل کردہ کتابوں پر (قرآن، انجیل، تورات، زبور وغیرہ)، iv) اس کے رسولوں پر، v) یوم جزا پر اور vi) حکم الٰہی، اچھے اور برے دونوں پر۔ جب برائی آتی ہے تو یہ ہمارے ہاتھ کی کمائی ہوتی ہے یا کسی اور کی (اللہ آزمائش کی وجہ سے اس کی اجازت دیتا ہے)۔ کچھ لوگ پوچھتے ہیں کہ جو ان کی تقدیر میں لکھا ہے اس کا حساب وہ کیوں دیں؟ بے شک اللہ قادرِ مطلق ہے، لیکن تقدیر کا ہمارا یہ تصور غلط ہے۔ تقدیر کوئی ڈرامے کا سکرپٹ نہیں جس پر عمل کرنا ہوتا ہے، بلکہ یہ ان اعمال کا تفصیلی ریکارڈ ہے جو انسان اپنی مرضی سے کرے گا، جسے اللہ نے کتاب تقدیر میں لکھ دیا ہے۔ امتحان اللہ کی طرف سے ہوگا، عمل کا انتخاب ہمارا ہوگا۔ کچھ لوگ پوچھ سکتے ہیں: پھر وہ ہماری دعاؤں کا جواب کیسے دیتا ہے؟ یہ بھی تقدیر کی کتاب میں لکھا ہے کہ اللہ ان کا کیسے جواب دے گا، کہاں اور کب مداخلت کرے گا۔اس کی مداخلت ہمیشہ بھلائی کے لیے ہوتی ہے۔ چونکہ اللہ قادر مطلق ہے، وہ ہماری تقدیر کو سنوار سکتا ہے، اس لیے ہمیں چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے بھی اس سے دعا کرنی چاہیے۔ ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اور یہ کہ صرف وہی جانتا ہے جو وہ کرتا ہے (یعنی جہاں اور جب چاہتا ہے مداخلت کرتا ہے)۔ وہ ہماری تقدیر کا مالک ہے اور یہ کہ ہمیں یہ معلوم کرنے کے لیے آزمایا جا رہا ہے کہ جب ہم پر کوئی مصیبت آتی ہے اس پر ہم کیا رد عمل ظاہر کرتے ہیں۔ایک سچے مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں مصیبت میں صبر اور خوشحالی میں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ میں دو مثالوں سے اوپر دیئے گئے تقدیر کے جُملہ کو واضح کرنے کی کوشش کروں گا۔ فرض کریں کہ دو لوگ دور ایک شخص کو اپنے سامنے موجود خندق سے بے نیاز ہو کر غفلت سے چلتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ وہ اندازہ لگاتے ہیں کہ وہ شخص خندق میں گر کر زخمی ہوگا۔اگر وہ شخص غافل رہے تو خندق میں گر جائے گا، تو ان کا گمان درست ثابت ہوگا اور اگر خطرے کو بھانپ کر اس میں گرنے سے بچ جائے تو ان کا گمان غلط ثابت ہوگا۔ جبکہ اللہ عالم الغیب ہمیشہ صحیح ہوتا ہے۔ دوسری مثال میں ایک چالاک چور چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا، جب اسے عمرؓ کے دربار میں لایا گیا تو اس نے آپ سے کہا: اے عمرؓ کیا تم

مجھے اس کی سزا دو گے جو میری قسمت میں لکھی تھی؟ عمرؓ نے جواب دیا: نہیں! میں تمہیں وہ سزا دے رہا ہوں جو تمہارے مقدر میں لکھی ہے۔ یعنی آزاد مرضی کی وجہ سے وہ اپنے اعمال کے لیے جوابدہ ہے۔

لفظ "برائی" عام طور پر لوگوں کے اعمال کے لیے استعمال ہوتی ہے، جیسے جھوٹ، ناانصافی، ظلم وغیرہ یا ایسے حالات اور واقعات کے لیے جنہیں لوگ برا سمجھتے ہیں، جیسے کہ غربت، زلزلے، قدرتی آفات، خشک سالی وغیرہ۔ دنیاوی امتحان کا حصہ ہونے کے ناطے اللہ تعالیٰ اس کی اجازت دیتا ہے لیکن اسے یہ پسند نہیں کہ انسان کو تکلیف پہنچے، یا زمین پر فساد برپا ہو، یا اس کی راہ کو رد کیا جائے، یا یہ کہ برائی کا وجود ہو (**ان سے بچنا ہی امتحان ہے**)۔ اللہ قرآن میں فرماتا ہے: اے انسان، تجھے جو بھلائی بھی حاصل ہوتی ہے اللہ کی عنایت سے ہوتی ہے، اور جو مصیبت تجھ پر آتی ہے وہ تیرے اپنے کسب و عمل کی بدولت ہے (4:79)۔ اور جب کوئی قوم حد سے تجاوز کرتی ہے، تو یہ اللہ کی طرف سے عذاب بھی ہو سکتا ہے، تاکہ لوگ غور و فکر کر کے اسلام کی طرف پلٹ آئیں۔ اللہ قرآن میں فرماتا ہے: خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزا چکھائے اُن کو اُن کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آ جائیں (30:41)۔ برائی ایک سائے کی مانند ہے جو صرف اس وقت نظر آتی ہے جب کوئی چیز روشنی (یعنی سچائی) کو روکتی ہے۔ برائی ایک نسبتی اصطلاح بھی ہے، یعنی ضروری نہیں جو چیز ہمارے لیے بری ہو، وہ دوسروں کے لیے بھی بری ہو گی۔ مثال کے طور پر، سانپ کا زہر ہمارے لیے برا ہے لیکن سانپ کے اپنے دفاع کے لیے ایک نعمت ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں نبیؐ سے کہتے ہیں: یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ، ان کے ربّ کی توفیق سے، اس ربّ کے راستے پر، جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے اور زمین اور آسمانوں کی ساری موجودات کا مالک ہے۔ اور سخت تباہ کن سزا ہے قبولِ حق سے انکار کرنے والوں کے لیے جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں جو اللہ کے راستے سے لوگوں کو روک رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ راستہ (ان کی خواہشات کے مطابق) ٹیڑھا ہو جائے۔ یہ لوگ گمراہی میں بہت دور نکل گئے ہیں (14:1-3)۔ اوپر دی گئی آیات کے مطابق اصل برائی وہ غلط انتخاب ہے جو خالق کی مرضی کے خلاف اپنایا جائے، جس کے نتائج دنیا اور آخرت دونوں میں تباہ کن ہوں گے۔ اس کا براہ راست تعلق ہماری آزاد مرضی سے ہے جو اللہ نے انسان اور شیاطین کو آزمانے کے

لیے عطا کی ہے۔ اللہ قرآن میں فرماتا ہے: نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) سلطنت ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ جس نے موت اور زندگی کو اپیدا کیا تا کہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے، اور وہ زبردست بھی ہے اور در گزر فرمانے والا بھی (67:1-2)۔ یہاں میں ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ شیطان بہت پرہیزگار جن تھا۔ اسی لیے اُسے سرکردہ فرشتوں کے ساتھ جگہ دی گئی۔ اس سے وہ فخر اور غرور میں مبتلا ہو گیا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو شیطان نے جنوں کو دی گئی آزاد مرضی کی وجہ سے انکار کر دیا۔ ہمیں بھی انتخاب کی آزادی دی گئی ہے جس کا ہم بھی غلط استعمال کر رہے ہیں۔

چار مقاصدِ حیات: جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تو وہ جانتا تھا کہ صرف وہی جہالت کی وجہ سے زمین پر اللہ کا نائب بننے کا انتخاب کرے گا۔ اللہ قرآن میں فرماتا ہے: ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اُسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے، مگر انسان نے اُسے اٹھالیا۔ بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے (33:72)۔ اسے بتا دیا گیا تھا کہ زمین پر اس کی زندگی اس کے وجود کا آخری باب نہیں، بلکہ مرنے کے بعد اسے قیامت کے دن حساب کے لیے دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ لہٰذا یہ بہت ضروری ہے کہ ہم اپنی دنیاوی زندگی ربّ کی اطاعت میں گزاریں، اور اس کی مخلوق کا خیال رکھیں، تاکہ آخرت میں ہماری کامیابی یقینی ہو۔

امتحان کیا ہے: چونکہ انسان نے نائب بننے کا انتخاب کیا، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کو آزمایا جائے گا۔ وجود کے تقاضوں کی وجہ سے سب حیثیت اور مالیات میں برابر نہیں ہو سکتے، یعنی کچھ امیر ہوں گے اور کچھ غریب، کچھ تندرست ہوں گے، کچھ بیمار، کچھ مضبوط ہوں گے، کچھ کمزور، لیکن وہ سب ایک ہی امتحانی مرکز میں ہیں۔ اللہ فرماتا ہے: اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ اِن حالات میں جو لوگ صبر کریں۔ اور جب کوئی مصیبت پڑے، تو کہیں کہ "ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے" اُنہیں خوشخبری دے دو۔ اُن پر ان کے ربّ کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اُس کی رحمت اُن پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں (2:155-157)۔ اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو ان کے صبر اور استقامت کا امتحان لینے کے لیے مصائب کا سامنا کرنے دیتا ہے، اور ساتھ ہی وہ دوسروں کو بھی آزماتا ہے کہ وہ

مصیبت زدہ کی تکلیف کا کیسے جواب دیتے ہیں۔اس طرح جب ہم کسی ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جو بیمار ہے یا غریب ہے یا محتاج ہے تو یہ ہمارے لیے ایک امتحان ہے۔ اللہ ہمارے ایمان، انسانی اقدار سے وابستگی اور ہماری سخاوت کا امتحان لے رہا ہوتا ہے۔ امتحان کا خلاصہ اس طرح کیا جا سکتا ہے: آفات ہمیں اللہ کے فطری اور اخلاقی قوانین پر عمل نہ کرنے کی تعلیم دینے اور تنبیہ کرنے کے لیے آتی ہیں۔ یہ اللہ پر ہمارے ایمان اور انسانی اقدار سے وابستگی کو جانچنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ جب بھی ہم پر کوئی مصیبت آئے تو ہمیں پیچھے مڑ کر دیکھنا چاہیے کہ کہیں ہم سے کوئی غلطی یا کسی سے زیادتی تو نہیں ہوئی؟ اگر ایسا ہے تو اللہ سے اپنے گناہ پے توبہ کرنی چاہیے اور اگر کسی کے ساتھ زیادتی کی ہے تو اس شخص سے غلطی کی معافی مانگ کر زیادتی کا ازالہ کرنا چاہیے۔ ہمیں اپنے مقصدِ تخلیق کے چاروں امتحان پاس کرنے کے لیے سخت محنت کرنا ہو گی۔ ان کو پاس کرنے کے لیے ہمیں اس بات کا خاص خیال رکھنا ہو گا کہ ہم جان بوجھ کر خود کو یا کسی اور کو نقصان نہ پہنچا رہے ہوں۔ اگر ایسا ہے تو فوری طور پر اُن چیزوں کو کرنا چھوڑ دیں۔ یاد رکھیں، جنت کا حصول ایک انتہائی مشکل کام ہے (خاص طور پر تیسرا مقصدِ حیات اپنی انّا کو مارے بغیر حاصل کرنا ناممکن ہے)۔ اس لیے ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک کریں، جس کی بھی ہو سکے مدد کریں۔ جب تک ہم دوسروں کی مدد کرتے رہیں گے اللہ ہماری مدد کرتا رہے گا۔

اللہ نے ہمیں آزمانے کے لیے جب کائنات کو تخلیق کیا تو اسے ایک طرف شہوات اور خواہشات سے اور دوسری طرف ناخوشگوار اور تکلیف دہ چیزوں سے بھر دیا تھا۔ ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے جنت اور جہنم کی تخلیق مکمل کی تو اللہ نے جبرائیلؑ سے کہا کہ جنت میں جاؤ اور دیکھو کہ میں نے اہل جنت کے لیے کیا بنایا ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جبرائیلؑ جنت میں گئے، واپس آئے اور فرمایا: مجھے آپ کی عزت کی قسم جو بھی اس کے بارے میں سنے گا وہ اس میں ضرور داخل ہو گا۔ پھر اللہ کے حکم سے جنت کو ناگوار اور تکلیف دہ چیزوں نے ڈھانپ لیا۔ جبرائیلؑ کو پھر کہا گیا کہ وہ دوبارہ جا کر دیکھیں۔ جبرائیلؑ نے جنت کا دوبارہ دورہ کیا اور دیکھا کہ یہ اب ناخوشگوار اور تکلیف دہ چیزوں سے گھری ہوئی ہے، وہ واپس آئے اور عرض کیا: "مجھے ڈر ہے، اب اس میں کوئی داخل نہیں ہو گا۔" پھر اللہ تعالیٰ نے جبرائیلؑ سے کہا کہ وہ جہنم کو جا کر دیکھیں کہ جہنمیوں کے لیے کیا تیار کیا ہے۔ اس نے دیکھا کہ یہ تہوں میں ہے، ہر حصہ دوسرے پر چڑھ رہا ہے۔ وہ اللہ کے پاس آئے اور کہا: "مجھے آپ کی عزت کی

قسم! جو بھی اس کے بارے میں سنے گا وہ اس میں داخل نہیں ہو گا"۔ پھر اللہ کے حکم سے جہنم کو ہوس اور خواہشات سے ڈھانپ دیا گیا۔ اللہ نے جبرائیلؑ سے کہا کہ دوبارہ دیکھ کر آؤ۔ جبرائیلؑ دوبارہ جہنم کو دیکھنے کے لیے گئے، واپس آئے اور کہا: "مجھے آپ کی عزت کی قسم! مجھے ڈر ہے کہ کوئی بھی اس سے بچ نہیں پائے گا، لیکن اس میں گر جائے گا۔"

جنت میں داخل ہونے کے لیے پہلے تین امتحانات میں کامیاب ہونا ضروری ہے، جبکہ چوتھا امتحان اختیاری ہے۔ اختیاری کو کلی طور پر چھوڑا نہیں جاسکتا (دنیاوی امتحان کی طرح)۔ تینوں امتحان پاس کرنے کے لیے ناخوشگوار اور تکلیف دہ چیزوں کے راستے پر چلنا پڑے گا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی ناگوار اور تکلیف دہ چیزیں ہیں جنہوں نے جنت کا احاطہ کیا ہوا ہے؟ **جنت کو ڈھانپنے والی ناخوشگوار چیزیں یہ ہیں:** علم کا حصول، نماز، وضو، نماز کے لیے آدھی رات کو جاگنا (چاہے موسم سرد ہو یا گرم)، روزہ رکھنا (چاہے دن لمبے ہوں یا چھوٹے)، اس کی مخلوق خصوصاً انسانوں کا خیال رکھنا، اور اپنی محنت کی کمائی سے ان پر خرچ کرنا، انصاف کرنا، چاہے وہ اپنے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ **تکلیف دہ چیزیں یہ ہیں:** دوسروں کا احترام کرنا (چاہے وہ آپ کا احترام نہ کریں)، رشتہ داری کو جوڑنا (چاہے وہ اسے توڑنے کی کوشش کریں)، عاجزی اختیار کرنا (طاقت اور حیثیت کے باوجود)، انصاف کرنا چاہے اس سے اپنے آپ کو یا اپنے پیاروں کو تکلیف پہنچے وغیرہ۔ **وہ ہوس کی چیزیں جو جہنم کو گھیرے ہوئے ہیں:** جنس مخالف کی ہوس، دولت، رتبہ، طاقت کی ہوس وغیرہ۔ **خواہشات یہ ہیں:** نشہ، جوا، تکبر، انّا وغیرہ۔

ہم اگر غور کریں سب اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی ڈاکٹر بننا چاہتا ہے، تو اسے کسی خاص نصاب میں مہارت حاصل کرنی ہو گی۔ اور سب اس بات سے بھی اتفاق کریں گے کہ سب ڈاکٹر نہیں بنتے بلکہ اکثریت فیل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح، اگر کوئی فوڈ ٹیکنالوجسٹ بننا چاہتا ہے تو اسے کسی دوسرے نصاب میں عبور حاصل کرنا پڑتا ہے۔ یہاں بھی، سبھی پاس نہیں ہوتے اور نہ خود کو فوڈ ٹیکنالوجسٹ کہلا سکتے ہیں۔ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ بننے کے لیے اس کے امتحانات میں سخت محنت کرنی پڑتی ہے، اور اس کے علاوہ آرٹیکل شپ مکمل کرنے کے لیے قلیل تنخواہ پر کسی چارٹرڈ فرم میں برسوں انتھک محنت کرنی پڑتی ہے، اس کے باوجود صرف ایک فیصد ہی پاس ہوتے ہیں۔ اسی طرح، سب اس بات سے بھی اتفاق کریں گے کہ ہر ایک جو پاس یا فیل ہوتا ہے، سب کو ایک جیسے گریڈز یا نمبر نہیں ملتے۔

میرے قارئین سے چند سوال: کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ تمام کورسز بے بنیاد اور بے مقصد ہیں؟ نہیں! جب کوئی اچھی پوسٹ کے لیے اپلائی کرتا ہے تو کیا ہم اس کی ضروری قابلیت اور ہنر کا امتحان نہیں لیتے؟ ہاں لیتے ہیں! ہم سب اس بات سے اتفاق کریں گے کہ یہ ضروری ہے۔اس کے باوجود ہم اپنے آپ کو رحمٰن کے رنگوں/صفات میں رنگنے کے لیے تیار نہیں ہیں تاکہ جنت کے باسی بن سکیں۔اسی طرح دنیوی زندگی میں اگر ہم حکام کے وضع کردہ اصولوں کو توڑیں تو ہمیں جیل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جیلیں بے مقصد بنائی گئی ہیں؟ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان کچھ بھی کرنے، کسی کو نقصان پہنچانے، کسی بھی چیز کو تباہ کرنے کے لیے آزاد ہے؟ سب کہیں گے نہیں، یعنی کوئی بھی ضابطہ بے معنی نہیں ہے۔ اس طرح، اگر قید کا تصور ہمارے لیے بامعنی ہے، تو جہنم کا تصور کیوں بے معنی لگتا ہے؟ کیا ہمارے ہاں عمر قید نہیں ہے؟ کیا جیل میں قیدیوں کی ان کے جرائم کے مطابق مختلف درجہ بندیاں نہیں ہوتیں؟ ہاں ہوتی ہیں! کچھ کے ساتھ سخت سلوک ہوتا ہے اور کچھ مختصر مدت کے لیے آتے ہیں۔ ہر درجہ بندی کی مزید درجہ بندیاں ہوتی ہیں۔

ہمارے تمام اعتراضات کو دور کرنے کے لیے اللہ قرآن میں فرماتا ہے: اس نے پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اُسے آلودہ کیا (91:8-10)۔ قرآن مجید میں مزید فرمایا: درحقیقت! ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔ کیا اس نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اس پر کوئی قابو نہ پا سکے گا؟ کہتا ہے: میں نے ڈھیروں مال اڑا دیا۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ کسی نے اس کو نہیں دیکھا؟ کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے؟ اور کیا دونوں نمایاں راستے اسے نہیں دکھائے؟ مگر اس نے دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی اور تم کیا جانو! کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کو غلامی سے چھُڑانا، یا فاقے (بھوک) کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا۔ پھر یہ کہ آدمی اُن لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر اور (خلقِ خدا پر) رحم کرنے کی تلقین کی (90:4-17)۔ اور پھر ہمیں آزمانے کے لیے انتخاب کی آزادی دی۔اے مسلمانو یہ دنیا عیش و عشرت کی جگہ نہیں ہے، ہم نے چونکہ نائب بننے کا انتخاب کیا ہے، ہمیں دنیا میں اپنی اہلیت ثابت کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے، لہٰذا ہم پر آزمائشیں آئیں گی۔

اللہ فرماتا ہے: صبر اور نماز سے مدد لو، بے شک نماز ایک سخت مشکل کام ہے، مگر اُن فرماں بردار بندوں کے لیے مشکل نہیں ہے(2:45)۔ جو کامیاب ہو گا وہی جنت میں جائے گا۔

ایک سوال جو ذہن میں آتا ہے کہ اللہ ہمیں کیوں آزمانا چاہتا ہے؟ اللہ قرآن میں فرماتا ہے: **ہم نے اس آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے کچھ کھیل کے طور پر نہیں بنایا ہے۔** اگر ہم کوئی کھلونا بنانا چاہتے اور بس یہی کچھ ہمیں کرنا ہوتا تو اپنے ہی پاس سے کر لیتے(21:16-17)۔ اور دوسری جگہ قرآن ہمیں مومن کی صفات بتاتا ہے: زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ان ہوش مند لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں (جو اندھی تقلید نہیں بلکہ اپنی عقل کا استعمال کرتے ہیں) جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور زمین اور آسمانوں کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں۔ (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) "پروردگار، یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے، تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔ پس اے ربّ، ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے"(3:190-191)۔ یہ آیات ہمیں بتاتی ہیں کہ اللہ بے مقصد چیزوں کو پیدا نہیں کرتا (کیونکہ بے مقصد چیزوں کو پیدا کرنا ایک کمی ہے، اور اللہ ہر قسم کی کمی سے پاک ہے)۔ اگر کوئی ایسی چیز بنائی جائے جس کا کوئی مقصد یا استعمال نہ ہو تو ہم انسان اسے حماقت گردانتے ہیں۔ میں اپنے قاری سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ پھر کیا ہم یہ تصور کر سکتے ہیں کہ اللہ نے فرشتوں، کائنات، تمام انواع، شیاطین اور انسانوں کو بے مقصد پیدا کیا ہے؟ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس نے جنت اور جہنم کو بے مقصد بنایا ہے؟ جواب نفی میں ہو گا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس عظیم کائنات کو تفریح کے لیے نہیں بنایا، اس کے پیچھے ایک مقصد ہے۔ پھر ذہن میں سوال اٹھتا ہے کہ ہماری تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ چونکہ ہماری تخلیق کے پیچھے ایک مقصد ہے، اس سے خود بخود یہ اخذ ہوتا ہے کہ ہمیں یہ جاننے کے لیے آزمایا جائے گا کہ ہم میں سے کون تخلیق کا مقصد پورا کرتا ہے۔ میری رائے میں ہماری تخلیق کے چار مقاصد ہیں جن کی تکمیل کے لیے ہمیں تین خصوصیات میں مہارت حاصل کرنا ہو گی۔ ٹیسٹ یا آزمائشیں صرف ہمیں ان میں مہارت حاصل کرنے کے قابل بنانے کے لیے ہیں۔ جو ان میں مہارت حاصل کر لیں گے وہ جنتی ہوں گے۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

کوئی پوچھ سکتا ہے کہ جب اللہ جانتا ہے کہ کون جنت میں جائے گا اور کون جہنم میں جائے گا تو پھر وہ ہمیں دنیاوی زندگی کے تکلیف دہ مراحل سے کیوں گزارتا ہے؟ میں اسے ایک مثال سے سمجھانے کی کوشش

کروں گا کہ یہ کیوں ضروری ہے۔ جیسے ایک اچھا استاد جانتا ہے کہ اس کا کون سا طالب علم پاس ہو گا اور کون سا فیل ہو گا۔ فرض کریں اگر وہ فیصلہ کرے کہ وہ ان کا امتحان نہیں لے گا اور اپنے وجدان کے مطابق ان کو گریڈ دے گا، تو ناکام ہونے والے اس پر اعتراض کریں گے اور دعویٰ کریں گے کہ انھوں نے امتحان کی خوب تیاری کی تھی۔ اسی طرح آخرت میں جن لوگوں کو جہنم میں جانے کے لیے کہا جائے گا، وہ اعتراض کریں گے اور دعویٰ کریں گے کہ وہ اپنے ربّ کے تمام احکام پر عمل ضرور کرتے۔ ان تمام دنیاوی پریشانیوں کا مقصد ان کے تمام اعتراضات کو دور کرنا ہے۔

کوئی یہ بھی پوچھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرموں کو فوراً سزا کیوں نہیں دیتا جب وہ کوئی گناہ کرتے ہیں یا راہ راست سے ہٹ جاتے ہیں۔ یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔ اس کی میرے نزدیک دو وجہ ہو سکتی ہیں: ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مہربان ربّ اپنے بندے کی واپسی کا انتظار کرنا پسند کرتا ہے (دیر آے درست آے)، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے سے امتحان بے معنی ہو جائے گا (کیونکہ امتحان کے لیے کوئی نہ بچے گا)۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان کو طے شدہ راستے سے ہٹنے کی آزادی دی جائے۔ اسی طرح، اگر لوگوں کو اچھائی پر فوری بدلہ دے دیا جائے، تب بھی "امتحان" بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔ اسی لیے قرآن کہتا ہے: اگر کہیں وہ لوگوں کو اُن کے کرتوتوں پر پکڑتا تو زمین پر کسی مُتَنَفِّس کو جیتا نہ چھوڑتا۔ مگر وہ انہیں ایک مقرر وقت تک کے لیے مہلت دے رہا ہے۔ پھر جب اُن کا وقت آن پورا ہو گا تو اللہ اپنے بندوں کو دیکھ لے گا (35:45)۔

ہماری تخلیق کا پہلا مقصدِ حیات اور امتحان: ہم بہترین مخلوق ہیں کیونکہ ہمیں ذہانت اور شعور دیا گیا ہے۔ لٰہذا ہماری تخلیق کا اولین مقصدِ حیات یہ ہے کہ ہم عقل کو استعمال کرتے ہوئے اللہ کے نظامِ دنیا اور کائنات کو سمجھیں جس میں ہم رہتے ہیں۔ اللہ قرآن میں کہتا ہے: اس نے زمین اور آسمانوں کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا (تابع کر دیا)۔ اس میں بڑی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں (45:13)۔ اس نے ہمیں اپنے نظام میں تبدیلیاں کرنے اور انسانیت کے لیے مفید یا نقصان دہ چیزیں بنانے کا اختیار دیا ہے۔ دنیاوی امتحان یہ ہے کہ ناجائز مال و دولت، حیثیت، اقتدار، جنس مخالف، بے حیائی وغیرہ کی ہوس سے بچنا اور اس کے ساتھ ساتھ نشہ، جوا، تکبر، غرور وغیرہ کی خواہشات سے بھی پرہیز کرنا ہے۔ چونکہ اللہ نے انسان کو اپنے آفاقی نظام کو سمجھنے کے لیے عقل اور اختیار دیا ہے،

اس لیے ہمیں مثبت استعمال پر بدلہ دیا جائے گا اور منفی استعمال پر جوابدہ ہوں گے۔ سائنس دان بتاتے ہیں کہ آئن سٹائن، نیوٹن وغیرہ جیسے ذہین انسان اپنے دماغ کا صرف پندرہ سے بیس فیصد استعمال کرتے تھے، جب کہ عام ذہین انسان صرف دس سے پندرہ فیصد دماغ استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے میری رائے میں زندگی کا پہلا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی ذہنی صلاحیت کو مثبت انداز میں بڑھائے۔ اس کے لیے اسے ناگوار اور تکلیف دہ باتوں کو برداشت کرنا چاہیے اور خواہشات اور فواہشات سے بچنا چاہیے۔ مجھے عموماً اُن خوش نصیبوں پر رشک آتا ہے جنہوں نے دنیاوی زندگی میں اپنے آپ کو اللہ کے رنگوں میں رنگ لیا تھا اور جنہوں نے جنت میں داخل ہونے کے لیے زندگی کے چاروں مقاصد کے چاروں امتحان پاس کر لیے تھے۔ جب وہ اہلِ جنت کی فلاح و بہبود کے لیے اپنی دماغی طاقت کا سو فی صد استعمال کرنے کی صلاحیت حاصل کر لیں گے تو وہ ذہانت کے کس معراج پر ہوں گے؟ سبحان اللہ! **میرے خیال میں یہی ہمارے وجود کا پہلا بنیادی مقصد ہے۔**

جہاں انصاف نہ ہو اور جہاں قانون پر عمل نہ ہو، اللہ ان قوموں کو دنیا میں رسوا کر دیتا ہے، خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ قرآن کہتا ہے: جن لوگوں کو توراۃ کا حامل بنایا گیا تھا مگر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا، اُن کی مثال اُس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں، اس سے بھی زیادہ بُری مثال ہے اُن لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلا دیا ہے۔ ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں دیا کرتا (62:5)۔ جب مذہب کی بات آتی ہے تو ہم اپنے علماء کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ ہم اپنے مذہب کے مطالعہ پر وقت دینے کو تیار نہیں۔ یہی وجہ ہے جو لوگ قرآن کا مطالعہ نہیں کرتے اور اپنے علماء کی اندھی تقلید کرتے ہیں، اور اگر وہ خدانخواستہ علماءِ سوء کے ہتھے چڑھ جائیں تو گمراہ ہو جاتے ہیں، یا مذہب سے اکتا جاتے ہیں یا ملحد ہو جاتے ہیں۔ ہم اپنی فانی زندگی کے فائدے کے لیے مخصوص نصاب کا مطالعہ کرنے میں سالہا سال گزار دیتے ہیں، لیکن ابدی زندگی کی خاطر اپنے مذہبی صحیفے کا مطالعہ کرنے کو تیار نہیں۔ اس کے نتیجے میں آخرت میں ہمیں جن نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا اس کے ذمہ دار ہم خود ہوں گے۔ قرآن ایسے لوگوں کے بارے میں کہتا ہے: ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں۔ ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں۔ ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے، یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے گئے ہیں (7:179)۔ اسی لیے اللہ قرآن میں کہتا ہے: یہ ایک

بڑی برکت والی کتاب ہے جو (اے نبیؐ) ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل و فکر رکھنے والے اس سے سبق لیں(38:29)۔ قرآن ایسی آیات سے بھرا ہوا ہے جہاں یہ انسان کو عقل سے کام لینے کی ترغیب دیتا ہے: کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے ؟اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی(4:82)۔ عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا ربّ ہر چیز کا شاہد ہے(41:53)؟ کیا ان لوگوں نے آسمان و زمین کے انتظام پر کبھی غور نہیں کیا اور جس چیز کو بھی اللہ نے پیدا کیا ہے اسے آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا(7:185)؟ ان سے کہو "زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اسے آنکھیں کھول کر دیکھو"(10:101)۔ جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں اُن کے لیے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، اُن کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اس پانی میں، جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعے سے مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے اور زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردِش میں، اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابعِ فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، بے شمار نشانیاں ہیں(2:164)۔ اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس حالت میں کہ تم کچھ نہ جانتے تھے۔ اس نے تمہیں کان دیے، آنکھیں دیں، اور سوچنے والے دل دیے، اس لیے کہ تم شکر گزار بنو۔ کیا ان لوگوں نے کبھی پرندوں کو نہیں دیکھا کہ فضائے آسمانی میں کس طرح مسخر ہیں؟ اللہ کے سوا کس نے ان کو تھام رکھا ہے؟ اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں(16:78-79)۔ لوگو! اگر تمہیں زندگی بعد موت کے بارے میں کچھ شک ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے، پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی (یہ ہم اس لیے بتا رہے ہیں) تاکہ تم پر حقیقت واضح کریں۔ ہم جس (نطفے) کو چاہتے ہیں ایک وقتِ خاص تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں (پھر تمہاری پرورش کرتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو۔ اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے اور کوئی بدترین عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے۔ اور تم دیکھتے ہو کہ

زمین سوکھی پڑی ہے، پھر جہاں ہم نے اُس پر مینہ برسایا کہ یکایک وہ پھبک اٹھی اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم کی خوش منظر نباتات اگلنی شروع کر دی(22:5)۔

انسان عقل کو استعمال کرنا تو سیکھ رہا ہے لیکن بدقسمتی سے زیادہ تر منفی مقاصد کے لیے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ معمولی فائدے اور طاقت کے خواہاں ہیں، وہ اپنے بھائیوں کا استحصال کرتے ہیں اور ان کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں، ان لوگوں کو غلام بناتے ہیں جو آزاد پیدا ہوئے ہیں، اور انہیں بلا جواز تکلیف پہنچاتے ہیں۔ ایسے شر پسند عناصر بے رحمی سے انسانوں کو اذیتیں دیتے اور ان کا قتل عام کرتے ہیں، حالانکہ تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں، اس لیے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس کے باوجود یہ شر پسند عناصر ان کے حقوق کو غصب کرتے ہیں۔ انسان جو بہترین مخلوق تھی، بدترین بن گیا ہے۔ جانور صرف کھانے کے لیے شکار کرتے ہیں، جب کہ انسان اپنی برتری دکھانے کے لیے دوسروں کا قتلِ عام کرتے ہیں۔ نسل انسانی کو غلام بنانے اور اس کے فوڈ چین پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے، انسان HAARP (موسم کنٹرول کرنے کی ٹیکنولوجی)، جینیٹک انجینئرنگ وغیرہ جیسی ٹیکنالوجیز کے ذریعے فطرت سے جوڑ توڑ کر رہا ہے۔ نبیؐ نے ہمیں پہلے بتا دیا تھا کہ دجال موسم کو کنٹرول کرے گا، اسی طرح خوراک کو بھی۔ فوڈ چین کو کنٹرول کر کے اور بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں (بشمول حیاتیاتی ہتھیاروں (وائرس وغیرہ)) کا استعمال کر کے یہ ظالم انسانی آبادی کو کم کرنا چاہتے ہیں۔ غلام بنانے اور کنٹرول کو سخت کرنے کے لیے، وہ انسانی جسموں میں نینو چپس داخل کرنے کی بھی کوشش کر رہے ہیں۔ میرا سوال: ہم یہ ماننے کے لیے تیار ہیں کہ انسان انسانوں کی نگرانی اور کنٹرول کر سکتے ہیں، لیکن ربّ کی نگرانی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں جو مستقبل کو بھی جانتا ہے، اور جس کی ٹیکنالوجی انسانوں کی ٹیکنالوجی سے لامحدود برتر ہے، کیا ہم یومِ حساب ان نگرانی کے ثبوتوں سے بچ سکتے ہیں؟ کیا کبھی ہم نے اس کے بارے میں سوچا ہے؟

جب ہم قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ ہمیں بتاتا ہے: "ہم انہیں کائنات میں اور ان کی ذات میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان پر یہ ظاہر ہو جائے گا کہ یہ (قرآن) حق ہے" (41:53)۔ یہ ایک Rap حمد کا خلاصہ ہے جو مندرجہ بالا آیت کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ ہمیں بتاتا ہے کہ جب ہم غور و فکر کرتے ہیں اور اپنی عقل کو استعمال کرتے ہیں تو ہم سوال کریں گے، جیسے: ہم یہاں کیا کر رہے ہیں اور ہم کہاں جا رہے ہیں، یا یہ کہ ہم صرف ایک شو میں داخل ہونے کے لیے پیدا ہوئے ہیں؟ کیا

یہ جینا ہے کہ بس جس طرح ہو سکے امیر بنیں، اور کوشش کریں کہ کنگال نہ ہوں؟ یا بالوں کے انداز سے لے کر کپڑوں تک ٹی وی پر جو کچھ بھی دیکھیں اسے بس کاپی کریں، اور ٹرینڈ کے ساتھ چلیں؟ اگر غور کریں تو کیا ہماری زندگی کا مقصد بوڑھا ہونے کے سوا کچھ نہیں؟ بس جینا اور مرنا، اور اپنے پیچھے بہت ساری جائیداد دوسروں کے لیے چھوڑنا ہے؟ کیا تابوت میں بند ہونے سے پہلے یہ بات بہت اہم نہیں کہ ہم اپنے سوالات کا جواب جان لیں۔ کیا ہم اسے اتفاق پر چھوڑ کر اپنی زندگیوں کے ساتھ جوا کھیل سکتے ہیں؟ کیا ہمیں زندگی کے ان سادہ سوالات کو تلاش نہیں کرنا چاہیے، جیسے ہم یہاں کیا کر رہے ہیں اور ہمارا مقصدِ حیات کیا ہے؟ ہم یہاں کیسے پہنچے اور ہمیں اتنا کامل کس نے بنایا؟ اگر صرف جینا اور مرنا زندگی ہے، تو کیا یہ دنیا واقعی اس قابل ہے؟ ایسے سوالات جن کے جوابات ہم بظاہر نہیں جانتے۔ کیا اس زندگی کا کوئی مقصد نہیں اور کیا ہمارا وجود محض اتفاق ہے؟ پھر کیا ہم نے خود کو بنایا یا کوئی اور تھا جس نے ہمیں بے عیب، بے نقص اور بے مثل بنایا ہے؟ اگر ہم عقلی طور پر سوچیں تو ہمیں پتہ چل جائے گا کہ ہمیں ایک اعلیٰ ذہانت والی ذات اللہ نے تخلیق کیا ہے۔

کیوں؟ کیونکہ ایسا کوئی کیمرہ نہیں جو انسانی آنکھ کے قریب آ سکے اور نہ ہی کوئی ایسا کمپیوٹر ہے جو انسانی دماغ کا مقابلہ کر سکے۔ اور اگر ساری دنیا اکٹھی ہو جائے تو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے۔ بہت ساری نشانیوں کے باوجود پھر بھی ہم انکار کرتے ہیں، جیسا کہ کچھ سائنسدان یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ عدم سے خود بخود وجود میں آ گیا۔ جبکہ ایک سادہ رقم صفر جمع صفر جمع صفر.... کبھی ایک نہیں ہو سکتی۔ تو یہ سب کچھ کہاں سے آیا؟ چونکہ ہر چیز کا ایک بنانے والا اور اس کا اپنا ایک خالق ہے۔ جیسے کسی ویڈیو کو دیکھنے کی واحد وجہ یہ ہے کہ کسی نے اسے اپ لوڈ کیا ہے۔

نتیجہ: سائنسدان اب بگ بینگ پر یقین کرتے ہیں، کیا ہمیں اُس پر یقین نہیں کرنا چاہیے جس نے اُسے پھاڑ کر جدا کیا تھا؟ اللہ، جو ہر چیز اور ہر ایک جان کا خالق ہے، ہمیشہ زندہ رہنے والا، ہر چیز پر صرف اسی کا کنٹرول ہے۔ ہماری تخلیق کے برعکس، وہ ہمارے تصور سے بالا تر ہے، اور اپنی ذات میں وہ اکیلا اور مکمل ہے۔ اس نے ہمیں نہ تفریح کے لیے پیدا کیا اور نہ ہی ہمیں تنہا چھوڑا۔ بالکل کسی تخلیق کار کی طرح، اس نے ہمیں بھی ہمارے ہدایاتی کتابچے دیے، جن کا نچوڑ قرآن ہے۔ اگر ہم غور و فکر کریں تو یہ واحد ممکن حل ہے۔ اللہ واحد اور اعلیٰ ہستی کی تعریف منطقی ہے۔ اگر بہت سے خدا ہوتے تو وہ آپس میں لڑ پڑتے۔ قرآن صرف سائنسی تضادات اور تاریخی معجزات کے ذکر کے ساتھ اپنے غور و فکر کرنے والوں کے لیے روزِ روشن کی

طرح عیاں معجزاتی پیغام ہے۔ چند چیزیں جو قرآن نے چودہ سو سال پہلے بیان کیں، انسانی جین، پہاڑ جو زمین کو کھونٹے کی طرح پکڑے ہوئے ہیں، دو سمندر جو آپس میں نہیں ملتے، رات اور دن کے باری باری آنے کی تفصیل، سیاروں کا اپنے مدار میں بغیر ٹکرائے گھومنا، کائنات کا مسلسل پھیلنا، غدود میں بہنے والا سیال جس نے انسان کو تخلیق کیا، جو پسلیوں اور ریڑھ کی ہڈی کے درمیان سے آتا ہے، یہ کہ تمام جاندار پانی سے پیدا کیے گئے ہیں سے لے کر ماضی کی کہانیوں اور فرعون کی لاش کو محفوظ کئے جانے تک درج ہے۔ تب سے اب تک ایک لفظ بھی نہیں بدلا۔ تو غور کریں کہ یہ سب کچھ 1400 سال پہلے ایک ایسے شخص کو کیسے معلوم ہوا جو پڑھ لکھ نہیں سکتا تھا؟

اگر آپ کو اب بھی یقین نہیں آتا ہے تو پھر کوئی ایسی کتاب سامنے لائیں جو اس کے قریب ہو۔ لیکن جب ہم نہیں کر سکتے تو ہم ربّ اور اس کے رسولوں کا مذاق اڑاتے ہیں، اور صحیفوں کو قدیم لوک کہانیاں اور افسانے کہہ کر مسترد کر دیتے ہیں۔ ہم اپنی زندگی اپنی خواہشات، آرزوں اور امیدوں پر گزارتے ہیں، یہ سوچتے ہوئے کہ یہ زندگی ہی وہ واحد زندگی ہے جو ہم کبھی جییں گے۔ مرنے کے بعد ہم صرف ہڈیاں اور خاک ہوں گے۔ **تصحیح:** جیسے گھاس ختم ہونے کے بعد بارش ہونے پر دوبارہ اگ آتی ہے، اسی طرح اللہ نے ہماری روحوں کے ساتھ ایسا ہی کرنے کا وعدہ کیا ہے، اور ہمیں پاؤں سے ہماری انگلیوں کے نشانوں تک واپس لانے کا وعدہ کیا ہے۔ سب سے اعلیٰ و عظیم ہستی ہمیں دیکھ رہی ہے، اور وہ ہماری دولت، ہماری صحت، اور جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے اس سے ہمیں آزما رہی ہے۔ ہم یقیناً زندہ کیے جائیں گے، اور اپنے ہر عمل کے لیے ربّ کے حضور جوابدہ ہوں گے۔ وہ ہمیں ہمارا نامہ اعمال دے کر ہمیں "پڑھنے" کا حکم دے گا، اور کہے گا کہ تم خود اپنے احتساب کے لیے کافی ہو۔ لہٰذا اس پر مجھے موردِ الزام نہ ٹھہراؤ، تم وہ تھے جس کا خیال تھا کہ تمہیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ تمہیں ساری زندگی مجھے تلاش کرنے کے لیے دی گئی (زندگی کا دوسرا مقصدِ حیات)، لیکن تم ان چیزوں کا پیچھا کرتے رہے جو عارضی تھیں۔ لہٰذا قرآن کا مطالعہ کرو اور اہل ایمان کو بشارت دو۔ لیکن اگر تم کفر پر ہو تو قرآن کا مطالعہ کرو، اس دن سے پہلے جس دن تمہیں زندگی کا اصل مفہوم معلوم ہو جائے۔ لہٰذا عقل سے کام لو اور قرآن میں غور و فکر کرو۔ نبیؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کا علاج نازل فرمایا ہے۔ جو جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا وہ نہیں جانتا۔ یعنی جس نے تحقیق کی اور اپنی عقل کو تحقیق کے لیے استعمال کیا،

اس نے علاج دریافت کر لیا (تخلیق کا پہلا مقصد)۔ یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو (اے نبیؐ) ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل و فکر رکھنے والے اس سے سبق لیں (38:29)۔ قرآن کی اس آیت کو زندگی کے اولین مقصد کا نچوڑ کہا جا سکتا ہے۔ یہاں مجھے اپنی نظم یاد آ گئی "سائنس اور قرآن" جس میں میں نے قرآنی معجزات کا ذکر کیا ہے۔ امید ہے آپ کو پسند آئے گی۔

سائنس اور قرآن

تیرا وجود تھا جب زماں کو نہ تھا بنایا
تو دھماکے سے زماں کو وجود میں ہے لایا
تو نے اُفق کو اپنے اذن سے پھیلایا
تو نے زمیں پہ خلاء سے پانی کو منگایا
قرآں میں ہے جو کچھ تو نے فرمایا سائنس نے ہے بس اس کو دہرایا
انساں پہ تو نے کیا اپنی رحمت کا سایا
پودوں و سبزہ کو تو نے ہے زمیں پر اُگایا
پانی سے تو نے ہے ہر جاں دار کو بنایا
تو نے آدم کو جنت سے زمیں پر بلایا
قرآں میں ہے جو کچھ تو نے فرمایا سائنس نے ہے بس اس کو دہرایا
پانی اُڑنہ جائے جب بھاپ بنا کر اٹھایا
آسماں میں اوزون کا تو نے بند بنایا
زندگی کے لیے پانی کا چکر ہے چلایا
بارش کو تو نے ندی نالوں میں بہایا
قرآں میں ہے جو کچھ تو نے فرمایا سائنس نے ہے بس اس کو دہرایا
تو نے زمیں پر ذرا سی بارش کو برسایا
پھر سیلِ رواں سے خلقت کو بچایا

باقی کو بنا کر برف پہاڑوں پر سجایا
پھر مخلوق تک پگلا کر پانی پہنچایا
قرآں میں ہے جو کچھ تو نے فرمایا   سائنس نے ہے بس اس کو دہرایا
اس قابل نہیں تھی زمیں کہ اپنا لوہا بنائے
انساں کی خاطر آسماں سے لوہا برسایا
اپنے اپنے محور میں چاند و سورج کو گھمایا
سورج کو دیا اور ہے چاند کو عکس بنایا
قرآں میں ہے جو کچھ تو نے فرمایا   سائنس نے ہے بس اس کو دہرایا
انساں معلوم کرے جو تو نے بنایا
اور کہیں جیسے انہوں نے ہے بنایا
مٹھی میں ہے تری ہر ایک خدایا
سارے جہان کو ہے تو نے بنایا
قرآں میں ہے جو کچھ تو نے فرمایا   سائنس نے ہے بس اس کو دہرایا

اسی لیے قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے وہ گونگے، بہرے، اندھے، چوپایوں سے بدتر، مردہ (بے شعورے) اور کتابوں سے لدے گدھے کی طرح ہیں۔ جو اپنے شعور اور عقل کو استعمال نہیں کرتے وہ اشرف المخلوقات کے زمرے میں نہیں آتے۔ تخلیق کا پہلا مقصدِ حیات دیگر تین مقاصد کا ایک لازمی جز ہے۔

ہماری تخلیق کا دوسرا مقصدِ حیات اور امتحان: ہم بہترین مخلوق ہیں، کیونکہ ہمیں عقل اور شعور دیا گیا ہے۔ اس طرح ہماری تخلیق کا دوسرا مقصد اور اس کے ساتھ آنے والی آزمائشیں اس لیے ہیں کہ ہم اپنے خالق کو منطقی طور پر پہچاننے کے لیے اپنی عقل کا استعمال کریں۔ یعنی قرآن میں نازل ہونے والی نشانیوں، کائنات میں موجود نشانیوں، اپنے ارد گرد موجود نشانیوں اور اپنے اندر موجود نشانیوں پر غور کر کے خالق کو پہچاننا۔ قرآن میں بہت سی نشانیاں ہیں جو حقیقی خالق اللہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر: سائنسدان اس بات پر متفق ہیں کہ کائنات کا ایک ڈیزائن ہے، اور جہاں ڈیزائن ہو، وہاں اس کا خالق ہونا چاہیے۔ جب ہم قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں اس میں اللہ کہتا ہے: عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق

میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد ہے (41:53)؟ آفاق کی نشانیوں کے بارے میں قرآن مجید میں بیان کردہ چند مثالیں۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ: نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) سلطنت ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ جس نے موت اور زندگی کو اِیجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے، اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی۔ جس نے تہ برتہ سات آسمان بنائے۔ تم رحمان کی تخلیق میں کسی قِسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے، پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی (67:1-4)۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کو چیلنج کرتا ہے کہ وہ اس کی کائنات میں عیب نکال کر دیکھائیں۔

قرآن نے ایک عظیم دھماکے کے ساتھ کائنات کی تخلیق کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ اللہ اسے پھیلا رہا ہے: کیا وہ لوگ جنھوں نے (نبی کی بات ماننے سے) انکار کر دیا ہے غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے پھاڑ کر انہیں جدا کیا، اور پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی؟ کیا وہ (ہماری اس خلاقی کو) نہیں مانتے (21:30)؟ "اور ہم ہی ہیں جس نے آسمانوں کو طاقت کے ساتھ بنایا ہے اور ہم ہی ہیں جو اسے مسلسل پھیلا رہے ہیں" (51:47)۔ آج سائنس تسلیم کرتی ہے کہ کائنات کی ایک شروعات ہے اور یہ کہ یہ مسلسل پھیل رہی ہے۔

اللہ قرآن میں کہتا ہے: ہم نے تمہارے قریب کے آسمان کو عظیم الشّان چراغوں سے آراستہ کیا ہے اور اُنہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ بنادیا ہے۔ اِن شیطانوں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ ہم نے مہیا کر رکھی ہے (67:5)۔ یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ تمام ستارے اور کہکشائیں پہلے آسمان میں ہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ہماری زمین پہلے آسمان کے مقابلے میں صحرائے صحارا کی ریت میں پڑی ایک انگوٹھی کی مانند ہے، اسی طرح پہلا آسمان دوسرے آسمان کے مقابلے میں صحرائے صحارا کی ریت میں پڑی ایک انگوٹھی کی مانند ہے، دوسرا آسمان تیسرے آسمان کے لیے، تیسرا آسمان چوتھے کے لیے، چوتھا آسمان پانچویں، پانچواں سے چھٹے کے لیے، چھٹا سے ساتویں، ساتواں عرش کے لیے، اور اس سے آگے کیا ہے وہ اللہ ہی جانتا ہے۔ اللہ قرآن میں کہتا ہے کہ وہ ہماری طرح کی مزید کائناتیں بنانے کی طاقت رکھتا ہے۔ اللہ

تعالیٰ پوچھتا ہے: کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے زمین کو فرش (گہوارہ) بنایا، اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا(78:6-7)۔ حال ہی میں یہ دریافت ہوا کہ پہاڑوں کا ایک چھوٹا سا حصہ زمین کے اوپر ہے جبکہ باقی سطح کے نیچے ہوتا ہے۔ پہاڑ، کھونٹی کی طرح کام کرتے ہیں جو زمین کی دو کرسٹ پلیٹوں کو مستحکم کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور آیت میں پہاڑوں کے کرسٹ پلیٹوں کے ساتھ ہٹنے کا ذکر ہے۔

قرآن فرماتا ہے: اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دِن بنائے اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں(21:33)۔ ایک اور آیت میں ہے: نہ سورج کے بس میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جاسکتی ہے۔ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں(36:40)۔ کائناتی ماہرین کے مطابق تمام سیارے اور ستارے اپنے مقررہ مدار میں حرکت کر رہے ہیں اور وہ آپس میں نہیں ٹکراتے۔ یہ وہ نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "عنقریب وہ دیکھیں گے" اور اگر ہم غور کریں تو نشانیاں روز بروز واضح ہوتی جا رہی ہیں۔

قرآن کہتا ہے: وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں، پھر اوپر کی طرف توجہ فرمائی اور سات آسمان استوار کیے۔ اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے(2:29)۔ اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا۔ مگر یہ ہیں کہ کائنات کی نشانیوں کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے(21:32)۔ آج سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ اگر فضا کی سات مختلف پرتیں موجود نہ ہوتیں تو زمین پر زندگی ممکن نہ ہوتی۔ سات پرتیں یہ ہیں: **ٹروپاسفیئر:** یہ فضا کا سب سے نچلا حصہ ہے۔ اس میں ہمارے بیشتر موسم کے بادل، بارش، برف شامل ہیں۔ **سٹراٹوسفیئر:** یہ اوپر کی طرف تقریباً پچاس کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ فضا میں زیادہ تر اوزون پر مشتمل ہے۔ یہ سورج کی بالائے بنفشی شعاعوں کو جذب کرتی ہیں۔ **میسوسفیئر:** یہ سٹراٹوسفیئر کے اوپر والا خطہ ہے۔ **تھرموسفیئر اور آئیونوسفیئر:** یہ تہیں سورج سے توانائی والی بالائے بنفشی اور ایکس رے شعاعوں کو جذب کرتی ہیں۔ **ایکسوسفیئر:** اس میں بنیادی طور پر آکسیجن اور ہائیڈروجن ایٹموں کے نشانات ہوتے ہیں۔ **میگناٹوسفیئر:** زمین ایک بہت بڑے مقناطیس کی طرح برتاؤ کرتی ہے۔ یہ الیکٹرانوں اور پروٹونوں کو پھانستی ہے، انہیں زمین سے تقریباً تین ہزار اور سولہ ہزار کلومیٹر اوپر دو بینڈوں میں مرتکز کرتی ہے جسے وان ایلن "تابکاری" بیلٹ کہتے ہیں۔ زمین کے گرد یہ بیرونی خطہ، جہاں چارج شدہ ذرات مقناطیسی فیلڈ کی لکیروں کے ساتھ گھومتے ہیں۔ ہم نے لوہا اتارا جس میں بہت طاقت اور انسانوں کے لیے

بہت سے فائدے ہیں(57:25)۔ جدید سائنسی نتائج ہمیں بتاتے ہیں کہ ہماری زمین خود بھاری دھاتیں پیدا نہیں کر سکتی۔ یہ میٹر وڈ کے ذریعہ نیچے آئیں تھیں جو زمین پر گریں۔

اللہ قرآن میں فرماتا ہے: اور آسمان سے ہم نے ٹھیک حساب کے مطابق ایک خاص مقدار میں پانی اُتارا اور اس کو زمین میں ٹھہرا دیا، ہم اسے جس طرح چاہیں غائب کر سکتے ہیں(23:18)۔ آج سائنسدان اس بات پر متفق ہیں کہ پانی میٹر وڈ کے ذریعے زمین پر آیا ہے۔ اللہ نے پھر پانی کا چکر بنایا: وہی ہے جس نے آسمان سے **ایک مقررہ مقدار میں پانی** برسایا جس سے ہم مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں۔ اسی طرح تم بھی اٹھائے جاؤ گے (43:11)۔ بارش کا یہ پیمانہ جدید سائنس نے دریافت کیا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق سولہ **ملین** ٹن سے زیادہ پانی سمندروں اور زمین سے ایک سیکنڈ میں بخارات بن کر اڑ جاتا ہے۔ کیا پانی کے بغیر زندگی کا وجود ہوتا؟ نہیں!

قرآن کہتا ہے: دو سمندروں کو اس نے چھوڑ دیا کہ باہم مل جائیں، پھر بھی اُن کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے(55:19-20)۔ سمندر کی اس خاصیت کو حال ہی میں سمندری ماہرین نے دریافت کیا ہے۔ ان کے مطابق مختلف کثافت کے پانی کا مختلف سطحی تناؤ سمندروں کو آپس میں ملنے سے روکتا ہے۔ قرآن کہتا ہے: اور پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی؟ کیا وہ (ہماری اس خلاقی کو) نہیں مانتے(21:30)؟ سائنس نے حال ہی میں دریافت کیا کہ پانی تمام جانداروں کا بنیادی جزو ہے۔ پانی کسی بھی جاندار کے کل وزن کا پینسٹھ فیصد سے زیادہ بنتا ہے۔

ہمارے ارد گرد موجود نشانیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا ان لوگوں نے کبھی پرندوں کو نہیں دیکھا کہ فضائے آسمانی میں کس طرح مسخر ہیں؟ اللہ کے سوا کس نے ان کو تھام رکھا ہے؟ اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں(16:79)۔ **بار ٹیلڈ گاڈوٹ نامی چھوٹے سے پرندے** کی سب سے طویل ہجرت کی پرواز ہے (الاسکا سے نیوزی لینڈ تک بغیر رو کے)۔ یہ گیارہ ہزار پانچ سو کلو میٹر کا سفر نو دن اور نو راتوں میں بغیر کھائے وپیئے اور بغیر سوئے اور آرام کئے طے کرتا ہے۔ **بار ہیڈڈ مرغابی:** یہ سائبیریا سے اڑ کر سیدھا تینتیس ہزار فٹ کی بلندی پر جیٹ سٹریم ہوا کے بہاؤ کے ذریعے وہاں پہنچ جاتی ہے جہاں وہ جانا چاہتی ہے۔ جیٹ سٹریم دنیا کے گرد چکر لگا رہی ہے اور جیٹ سٹریم میں درجہ حرارت منفی چھپن ڈگری سیلسیس تک جاتا ہے اور اس میں سطح سمندر کی صرف دس فیصد آکسیجن ہوتی ہے اور پھر بھی

وہ زندہ رہتی ہے۔ **روبی تھروتیڈ ہمنگ برڈ:** یہ چھوٹا سا پرندہ منٹ میں تین ہزار سے زیادہ دفعہ اپنے پروں کو پھڑ پھڑاتا ہے، اس کی لمبائی تین انچ اور وزن چار گرام ہے۔ یہ جنوبی امریکہ سے خلیج میکسیکو پر پرواز کرتے ہوئے ریاستہائے متحدہ میں دریائے مسیسیپی کے کنارے پر آتا ہے۔ چھبیس گھنٹے کی بغیر روکے اُڑان میں دو ہزار کلو میٹر کا فاصلہ بغیر کھائے پیئے، بغیر آرام کیے اور سوئے طے کرتا ہے۔ اندھیری رات میں یہ اپنی سمت نہیں بھولتا۔ **اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔**

ہمارے اندر کی نشانیاں: دماغ کا وزن تین پاؤنڈ ہے، جس میں تہتر% پانی اور سولہ% چربی ہوتی ہے۔ اس میں سو ارب نیوران کے علاوہ ایک ہزار ارب گلیل سیلز ہیں۔ یہ فی سیکنڈ ایک لاکھ کیمیائی رد عمل پیش کرتا ہے اور دس واٹ بجلی سے چلتا ہے۔ دماغ میں ڈیٹا کے لیے پچیس لاکھ جی بی کی گنجائش ہے۔ **انسانی آنکھ** ایک انچ قطر کی ہے اور وزن چھپن گرام ہے۔ ڈیجیٹل اصطلاح میں آنکھ پانچ سو چھہتر میگا پکسل ہے۔ انسانی آنکھ ایک کروڑ رنگوں میں فرق کر سکتی ہے۔ ہماری آنکھوں کی گولیاں پیدائش سے ہی ایک جتنی رہتی ہیں۔ پلکیں ہماری آنکھوں سے گندگی دور رکھتی ہیں اور بھنویں آنکھوں میں پسینے کو ٹپکنے سے روکتی ہیں۔ ایک آنکھ میں بیس کروڑ سے زیادہ کام کرنے والے حصے ہوتے ہیں، اور اس میں دس کروڑ ستر لاکھ روشنی کے حساس خلیات ہوتے ہیں۔ کورنیا جو روشنی کو آنکھ میں داخل ہونے دیتا ہے وہ واحد ٹشو ہے جس میں خون کی شریانیں نہیں ہیں (اتفاق سے ؟)۔ **جگر** دماغ کو گلوکوز فراہم کرنے، زہریلے مادوں کو فلٹر کرنے، انفیکشن سے لڑنے کے لیے کیمیکل تیار کرنے اور غذائی اجزاء اور وٹامنز کو ذخیرہ کرنے کا ذمہ دار ہے۔ یہ کھانے کے عمل انہضام میں مدد کے لیے صفرا پیدا کرتا ہے۔ **دونوں پھیپھڑوں** کا وزن 1.3 کلو گرام ہے، جو پسلیوں کے پنجرے سے محفوظ کئے گئے ہیں۔ یہ روزانہ گیارہ ہزار لیٹر ہوا سانس کے ذریعے اندر لیتا ہے۔ یہ جسم کو آکسیجن فراہم کرتا ہے اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کو خارج کرتا ہے۔ پھیپھڑوں میں ہوا کے گزرنے کی کل لمبائی دو ہزار چار سو کلو میٹر ہے، جس میں ساٹھ کروڑ الیوولی ہیں۔ **انسانی گردوں** کی لمبائی ساڑھے چار انچ اور وزن چار سے چھ اونس ہوتا ہے۔ گردے میں خون کا بہاؤ دل، جگر اور دماغ سے زیادہ ہوتا ہے۔ ہر گردے میں فلٹریشن کے لیے تقریباً دس لاکھ نیفرون ہوتے ہیں۔ یہ جسم میں پیدا ہونے والے فضلہ کو فلٹر کرتے ہیں، اور اسے پیشاب کے ذریعے باہر نکالتے ہیں۔ یہ ہر گھنٹے میں ایک سو بیس پائنٹ خون کو نان اسٹاپ صاف کرتے ہیں اور روزانہ کی بنیاد پر چار سو گیلن خون کو ری سائیکل کرتے ہیں۔ **دل** ایک

بڑا عضلاتی پمپ ہے، جو آپ کے سینے کے بیچ میں بائیں جانب تھوڑا سا جھکا ہوا ہے۔ دل پمپنگ کی آواز پیدا نہیں کرتا؛ یہ آواز والوز کی وجہ سے ہے۔ دل ہر منٹ میں ڈیڑھ گیلن خون پمپ کرتا ہے۔ یہ کارنیا کے علاوہ جسم کے سات سو پچاس کھرب خلیوں میں خون پمپ کرتا ہے۔ **اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے۔**

جب ہم عقل کو استعمال کرتے ہوئے نشانیوں پر غور و فکر کریں گے تو ہم خالق کو پہچان لیں گے، پھر ہم اس کی خوشی سے اس کی اطاعت کریں گے، اسے دل و جان سے چاہیں گے، اور اس کے احکامات پر عمل کریں گے۔ اللہ قرآن میں کہتا ہے: (مگر وحدتِ خداوندی پر دلالت کرنے والے اِن کھُلے کھُلے آثار کے ہوتے ہوئے بھی) کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مدِّ مقابل بناتے ہیں اور ان کے ایسے گرویدہ ہیں جیسی اللہ کے ساتھ گرویدگی ہونی چاہیے۔ **جبکہ مومن اللہ سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔**(2:165)۔ اس آیت کا نمایاں حصہ زندگی کے دوسرے مقصد کا نچوڑ ہے۔ کیوں؟ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے: تمہارے ربّ نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ (یہ اس کا رحم و کرم ہی ہے کہ) اگر تم میں سے کوئی نادانی کے ساتھ کسی بُرائی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کر لے تو وہ اُسے معاف کر دیتا ہے اور نرمی سے کام لیتا ہے"(6:54)۔ نبیؐ نے بیان کیا کہ شیطان نے اللہ سے کہا: میں تیرے بندوں کو اس وقت تک گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کی روحیں ان کے جسموں میں ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں ان کو اس وقت تک معاف کرتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے (ترمذی)۔ پھر اللہ اپنے خطاکار بندے کو تسلی دینے کے لیے کہتا ہے: (اے نبیؐ) کہہ دو کہ اے میرے بندو، جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے وہ تو غفور ورحیم ہے(39:53)۔ اے مسلمانو، جب یہ آیت نازل ہوئی تو شیطان رو پڑا تھا، کیونکہ سچی توبہ کی وجہ سے اس کی تمام کوششیں غارت جائیں گی۔ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اس آیت سے زیادہ گناہ گاروں کے لیے کوئی تسلی بخش چیز نہیں۔ اللہ کی رحمت کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ جب ہم سچے دل سے توبہ کرتے ہیں تو وہ معاف کر دیتا ہے۔ اے مسلمانو، ہم سے گناہ ہوں گے اور اگر ہم سے گناہ نہ ہوں، تو ایک حدیث میں ہے کہ نبیؐ نے فرمایا: "اگر تم سے گناہ سرزد نہ ہوں تو ڈرتا ہوں کہ تم تکبر کے گناہ میں مبتلا نہ ہو جاؤ (جس سے شیطان مغلوب ہوا تھا)۔" خدا نخواستہ، اگر ایسا ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شیطان اور ہم ایک ہی کشتی کے سوار ہوں گے۔ اسی لیے ابن

عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی ایسا صحابی نہیں دیکھا جو اللہ کی محبت میں تہجد کی نماز نہ پڑھتا ہو۔ کیونکہ یہ اللہ سے تعلق قائم کرنے کا بہترین وقت ہے۔

جب ہم قرآن و حدیث کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو اللہ کی محبت ہمیں مسحور کر دیتی ہے۔ مالکِ کائنات کتنی محبت سے اپنے بندوں سے پوچھتا ہے: اے انسان! کس چیز نے تجھے اپنے اس ربِّ کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا(82:6)۔ میں تین واقعات اللہ کی بندوں سے اس کی محبت کو ظاہر کرنے کے لیے بیان کروں گا۔ ایک دفعہ قارون موسیٰؑ کے پاس آیا اور پوچھا: زنا کی سزا کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا، "سنگسار کرنا"۔ اس نے پھر پوچھا، اگر آپؑ کریں تو۔ آپؑ نے پھر فرمایا، "سنگسار کرنا"۔ پھر کہا کہ سنو اس عورت کا کیا کہنا ہے۔ عورت نے موسیٰؑ سے کہا، تم نے مجھ سے زنا کیا ہے۔ موسیٰؑ پریشان ہو گئے کہ کیا کہوں۔ آپؑ سجدہ میں گر گئے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو کہا اُٹھو اور اس عورت سے پوچھو کہ اس نے آپ پر الزام کیوں لگایا، وہ بتادے گی۔ آپؑ اُٹھے اور عورت سے پوچھا کہ اس نے آپ پر کیوں الزام لگایا۔ وہ بولی مجھے قارون نے آپ پر بہتان لگانے کے لیے پیسے دیے تھے۔ آپؑ نے اللہ سے قارون کو زمین میں دھنسا دینے کی دعا کی۔ اللہ نے دعا قبول کی اور قارون زمین میں دھنسنے لگا۔ وہ موسیٰؑ سے معافی مانگتا رہا لیکن آپؑ نے معاف نہ کیا اور وہ زمین میں دھنس کر غائب ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے پوچھا: وہ تمہارا بندہ تھا یا میرا؟ آپؑ نے جواب دیا: اے اللہ وہ آپ کا بندہ تھا۔ میرے سوہنے ربّ نے فرمایا: اے موسیٰؑ وہ تجھ سے معافی مانگتا رہا، مجھے میری عزت کی قسم اگر وہ مجھ سے ایک بار معافی مانگتا تو میں اسے معاف کر دیتا۔ آہ، کیا اُسے ہماری محبت کا محور نہیں ہونا چاہیے؟ ایک دن عمرؓ نبیؐ سے ملنے کے لیے آرہے تھے کہ راستے میں ایک نوجوان لڑکا ملا جو زار و قطار رو رہا تھا، اس نے آپ سے استدعا کی کہ آپؓ اس کی نبیؐ سے ملاقات کروا دیں۔ آپ نے حامی بھر لی۔ جب آپؓ نبیؐ کے پاس پہنچے تو لڑکے کا ذکر کیا، آپؐ نے اسے اپنے پاس بلا لیا اور علیحدگی میں اس سے رونے کی وجہ پوچھی۔ لڑکا کہنے لگا وہ کفن چوری کر کے اپنا گذر بسر کرتا تھا۔ چند دن پہلے انصار کی ایک جوان بچی فوت ہوئی۔ میں اس کا کفن اتار کر جانے لگا، تو نیت خراب ہو گئی اور میں نے اس کے ساتھ زنا کیا۔ جب اُٹھ کر جانے لگا تو مجھے ایک آواز آئی، جو کہہ رہی تھی اے بندے اب میں ربّ کے سامنے گندی اُٹھائی جاؤں گی۔ نبیؐ نے اس کو دھتکار کر نکال دیا۔ وہ ایک پہاڑ پر چڑھ گیا اور اللہ سے معافی مانگتا اور کہتا میں تیرے نبی کے پاس بھی گیا انھوں نے بھی مجھے دھتکار دیا، میں اب کہا جاؤں۔ دس دن بعد جبرائیلؑ نبیؐ کے پاس آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ وہ لڑکا آپ کا بندہ ہے یا میرا؟ آپؐ نے جواب دیا، اللہ کا۔

پھر جبرائیلؑ نے پوچھا، اللہ پوچھتا ہے کہ آپ گناہوں کو معاف کرتے ہیں یااللہ ؟آپؐ نے جواب دیا: اللہ ہی گناہ معاف کرتاہے۔جبرائیلؑ نے فرمایااللہ تعالیٰ کہتاہے کہ کسی کو بھیج کر میرے گناہ گار بندے کو بتاؤ کہ اللہ نے اسے معاف کر دیاہے۔ پھر کیا ہمارے مہربان ربّ کو ہماری محبت کا محور نہیں ہونا چاہیئے ؟ شیخ سعدی نے کیاخوب کہاہے: تعجب ہے اللہ اتنی ساری مخلوق میں سے مجھے نہیں بھولتا، اور میرا تو ایک ہی ربّ ہے اور میں اسے بھول جاتاہوں۔ کسی نے کیاخوب کہا: زبان کا کہادنیا سنتی ہے، دل کا کہااللہ سنتا ہے۔ اے ربّ جب کوئی ناراض ہو جائے تو اسے منانے کے لیے اس کی بہت منّتیں کرنی پڑتی ہیں اور دوسری طرف تو ہے جو ایک آنسو بہانے پر عمر بھر کے گناہ معاف کر دیتاہے اور صلح کر لیتاہے۔ہائے جب جب میں نے قرآن اور حدیث کو غور سے پڑھا تو بے ساختہ پکار اٹھا: اے میرے ربّ، میں ساری زندگی تیرا نافرمان بندہ بنارہااور میرا نامہ اعمال گناہوں سے بھرا ہوا ہے، اور میں اپنے تمام گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔اے میرے رحیم ربّ میں تجھ سے راضی ہوں، تومجھ سے راضی ہو جا۔ میں تجھے اپناربّ مانتاہوں، میرے دل کواپنی محبت سے بھر دے، تاکہ میں تجھے دل وجان سے محبت کروں۔امین !۔ہائے ربّا میں مانتا ہوں کہ !

کی ہے میں نے تجھ سے انتہاکی بے وفائی
تیرے درپر آگیاہوں سزا سے دے رہائی
میرا وصال ہے قریب تو سن لے میری دھائی
اپنے کرم سے کتابِ سجن کی کر دے صفائی

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ کچھ قیدی نبیؐ کے سامنے لائے گئے تو ان میں ایک ایسی عورت بھی تھی، جو قیدیوں میں (اپنا) بچہ ڈھونڈھ رہی تھی جب اسے مل گیاتو اس نے فوراً اُس کو پکڑ کر اپنے سینہ کے ساتھ چمٹالیااور اپنادودھ پلاناشروع کر دیا(یہ منظر دیکھ کر) نبیؐ نے ہم سے پوچھا: کیاتم یہ خیال کر سکتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی ؟سب صحابہ نے عرض کیا، کبھی نہیں، اگر یہ ایسا کرنے کی طاقت رکھتی ہو۔ تو نبیؐ نے ارشاد فرمایا: یہ عورت اپنے بچے سے جس قدر پیار کرتی ہے اللہ تو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے زیادہ پیار ورحم کرنے والاہے۔ ہماری روحوں کو پیدا کرنے کے بعد، اللہ نے پوچھا، "کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں" (7:172)؟ہم سب نے کہا "ہاں، واقعی، یہ آپ ہی ہیں۔" تو پھر تم کہاں جا رہے ہو (81:26)؟" اللہ پوچھتا ہے: کیا کوئی انسان تمہیں مجھ سے زیادہ پیار کر سکتا ہے؟ نہیں ! مجھے اب

یقین آگیا ہے"۔بے ساختہ نکلا:لوگو! کیا وہ جو ہم پر اتنا مہربان ہے وہ ہمیں سب سے زیادہ عزیز نہیں ہونا چاہیے؟ہاں مہربان ربّ تو ہی محبوبِ حقیقی ہے۔کیسے نہ ہو،جو!

ہائے رکھ کر میرے غموں پر صبر کا مرحم
وا کر کے بازو کرتا رہا انتظار میرا
ہائے میں نہ سمجھ سکا پیار کا انداز تیرا
دل میں بسا کر کاش بنا ہوتا عاشق تیرا

رحیم ربّ ہمیں تسلی دینے کے لیے ایک حدیث قدسی میں فرماتا ہے:"اے ابن آدم جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے مانگتا رہے گا، میں تجھے معاف کرتا رہوں گا جو تو نے کیا ہے، اور مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔اے ابن آدم اگر تیرے گناہ آسمان کے بادلوں تک پہنچ جائیں اور تو مجھ سے معافی مانگے تو میں تجھے بخش دوں گا۔اے ابن آدم اگر تو زمین کے برابر گناہوں کے ساتھ میرے پاس آئے اور اگر تو نے کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرایا ہو تو میں تجھے بخش دوں گا(مخلوق کے حقوق معاف نہیں ہوں گے، کیونکہ وہ مظلوم ہی معاف کر سکتا ہے)"(ترمذی،احمد)۔اور پھر قرآن میں پوچھتا ہے:اے انسان! کس چیز نے تجھے اپنے اس ربِّ کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تیرے نوک پلک، سنوارے تجھے متناسب بنایا، اور جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ کر تیار کیا(82:6-8)؟مالک، تیری محبت سے جب مغلوب ہوا ،تو

چاہا کہ سجدے میں چوم لوں میں پاؤں تیرے
کہہ کے نااہل نفس نے ہائے ڈانٹا مجھے
جب چاہا کہ مثلِ سگ چاٹوں تلوے ترے
بے وفا کہہ کے ہائے نفس نے ہے جھڑکا مجھے
بن کے باوفا گر کر لیتا میں راضی تجھے
تو نے کر کے معاف اپنا لیا ہوتا مجھے
کرتا ہوں اقرار اپنے گناہوں کا تجھ سے
اقراری ہوں میں تیرا اپنا بنا لے مجھے
مالک رکھ لے لاج تو بوڑھی جاں کی میری
سنا ہے کہ پختہ عمر سے آتی ہے حیا تجھے

نبیؐ نے فرمایا: جس دن اللہ تعالیٰ نے رحمت کو پیدا کیا اس کو سو حصوں میں تقسیم کیا اور ننانوے حصے اپنے پاس رکھے اور اپنی رحمت کا ایک حصہ اپنی تمام مخلوقات میں تقسیم کیا، جس میں ماں کا پیار شامل ہے۔ ہمارا ربّ ہم سے کتنا پیار کرتا ہے کیا ہم اس کا احاطہ کر سکتے ہیں؟ نہیں! کیا ہمیں اس کی محبت کا بدلہ محبت سے نہیں دینا چاہیے؟ اسی لیے دوسرا مقصدِ حیات سب سے اہم ہے۔ اگر ہم اُس سے محبت نہیں کرتے، تو یومِ جزا ہم اُس کی رحمت سے استفادہ کیسے کر سکیں گے؟ قرآن کی پہلی آیت کہتی ہے: اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ ابوہریرہؓ حدیث قدسی بیان کرتے ہیں کہ نبیؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "میں ویسا ہی ہوں جیسا میرا بندہ مجھ سے گمان کرتا ہے۔ اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے کسی مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر مجلس میں اسے یاد کرتا ہوں (فرشتوں)۔ اور اگر وہ میرے پاس ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں ایک بازو کی لمبائی سے اس کے قریب ہو جاتا ہوں اور اگر وہ ایک بازو کے برابر میرے قریب ہوتا ہے تو میں تین بازو کی لمبائی سے اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔ اور اگر وہ میرے پاس چل کر آتا ہے تو میں دوڑتا ہوا اس کے پاس آتا ہوں" (ترمذی 3603)۔ ہائے میرے سوہنے ربّا یہ میں نے یہ کیا کیا یہ جانتے ہوئے کہ:

نہ دکھا نہ سنا جو غلام سے پیار کرے ایسے
تو ہے عشقِ حقیقی پیار تجھے نہ کروں کیسے
مجھ کو تو اپنے نبیؐ کا امتی بنا ایسے
تو ہو راضی جیسے میں تیرا بندہ بنوں ویسے

مزید نبیؐ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اللہ نے اپنی کتاب میں لکھا جو اُس کے پاس عرش پر رکھی ہوئی ہے کہ میرے غضب پر میری رحمت غالب آئے گی۔ اے میرے رحیم ربّ، میں تجھ سے کیسے پیار نہ کروں؟ جبکہ!

لکھ کر تو نے کرم کو دی ہے برتری ایسے
ایسے معاف کرے کہ نہ کی ہو کوئی خطا جیسے
ہائے کاش میں بن گیا ہوتا عاشق تیرا
تو پھر لاڈ اٹھاتا بہانے بہانے سے میرا

چونکہ یہ فانی دنیا امتحان گاہ ہے لہٰذا ہر ایک نے اپنے وقت پر اس سے کوچ کرنا ہے: ہر چیز جو اس کائنات میں ہے فنا ہونے والی ہے۔ اور صرف تیرے ربِّ جلیل و کریم کی ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔ پس اے

جِنّ وانس ! تم اپنے ربّ کے کس کس اختیار کو جھٹلاؤ گے (55:26-28)؟اس پر مجھے موت یاد آگئی، ہائے کیا بنے گا میرا:

کرتی رہی موت منادی سمجھ نہ آئی مجھے
تھا یہ میرا ظن کہ ملی ہے عمرِ نوحؑ مجھے
جو ہو گا لحد میں اس کی نہ ہوئی کبھی فکر مجھے
نہ ہی ڈر لگا محشر میں دینا ہے حساب تجھے
میرا ربّ یومِ جزا اگر پوچھے مجھ سے
کیوں آئی نہ شرم مری نافرمانی پہ تجھے
ہائے میں کیا کہوں گا کچھ سوجھتا نہیں مجھے
مالک میں ہوں نادم تو معافی دے دے مجھے

ہائے اس دن کیا کہوں گا جس دن: ربّ جلوہ فرما ہو گا اس حال میں کہ فرشتے صف در صف کھڑے ہوں گے، اور جہنم اس روز سامنے لائی جائے گی، اس دن انسان کو سمجھ آئے گی (مگر) اس وقت اس کے سمجھنے کا کیا حاصل؟ وہ کہے گا: کاش ! میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ پیشگی سامان کیا ہوتا ! پھر اس دن اللہ جو عذاب دے گا ویسا عذاب دینے والا کوئی نہیں، اور اللہ جیسا باندھے گا ویسا باندھنے والا کوئی نہیں (89:22-26)۔ ہائے ربّا جب نفس کا تزکیہ کیا تو پتہ چلا میں مفلس ہوں، یہ سوچ کر میرے ہوا س گم ہو گئے اور سوچنے لگا !

محشر میں ربّ نے ہائے اگر پوچھا مجھ سے
کیا پس انداز کیا ہے کہ میں دوں رہائی تجھے
چھپ کر تو کرتا تھا گناہ خلق سے مری
آگیا ہے یہاں لدا ہوا کچھ حیا ہے تجھے
بچا نہیں کوئی عذر کیا کہوں میں تجھے
بس دے دے تو معافی سزا سے بچا لے مجھے

قیامت کی گھڑی کو قرآن یوں بیان کرتا ہے: عظیم حادثہ، کیا ہے وہ عظیم حادثہ؟ تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ عظیم حادثہ؟ وہ دِن جب لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح اور پہاڑ رنگ برنگ کے دُھنکے ہوئے اُون

کی طرح ہوں گے۔ پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے وہ دل پسند عیش میں ہو گا، اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے اس کی جائے قرار گہری کھائی ہو گی(101:1-9)۔**مالک اپنے کرتوتوں پر کیا کہوں؟ سوائے!**

ہائے مالک بے وزن ہیں سارے عمل میرے
اور دامن بھی اخلاص سے خالی ہے میرا
خالی جھولی اور وقتِ کوچ قریب مرا
تو کر دے معاف حلیم سہاہوا ہے تیرا
مالک گناگار ہوں پر ہوں تو بندہ تیرا
میزاں کر بھاری حساب لے تو ہلکا میرا

ہائے جب وقتِ نزع آئے گا، قرآن کہتا ہے: پھر دیکھو، وہ موت کی جان کنی حق لے کر آ پہنچی، یہ وہی چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔ اور پھر صُور پھونکا گیا یہ ہے وہ دن جس کا تجھے خوف دلایا جاتا تھا۔ ہر شخص اِس حال میں آ گیا کہ اُس کے ساتھ ایک ہانک کر لانے والا ہے اور ایک گواہی دینے والا ہو گا۔ جس چیز کی طرف سے تو غفلت میں تھا، ہم نے وہ پردہ ہٹا دیا جو تیرے آگے پڑا ہوا تھا اور آج تیری نگاہ خوب تیز ہے (22-50:19)۔**مالک!**

ہائے وقتِ نزع ہے آ پہنچا میرا
کوئی نہیں جو عفو دلا سکے تیرا
میری نزع کی سختی کو کم کر دے مولا
میرے عذابِ قبر کو تو ہٹا دے مولا
یومِ محشر اپنے سائے میں رکھنا مجھے
تو اپنی جنت کا باسی بنانا مجھے

اے میرے ربّ، قیامت کے دن ہمیں اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمانا اور ہمیں ان خوش قسمت لوگوں میں شامل فرما جن کے لیے فرشتے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔ میرے مالک، ہمیں فتنہ دجال، موت کی تلخی، قبر کی وحشت و سختی اور جہنم کے عذاب سے بچا لے۔ آمین! **آہ جب سوچتا ہوں!**

زر کی لالچ میں گنوائی اپنی عمر ساری
نہ بسایا دل میں تجھ کو یہ تو حق تھا تیرا

تیری الفت میں نم نہ ہوئی کبھی آنکھ مری
نہ ہی عشق کیا تجھ سے یہ تو حق تھا تیرا

پھر کیا سوہنا ربّ ہمیں سب سے زیادہ عزیز نہیں ہونا چاہیے؟ کیا اس کے سوا کوئی اس قابل ہے کہ اس سے مانگا جائے؟ جو ہم سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے، تو کیا اس کے سوا کوئی اور محبوبِ حقیقی ہو سکتا ہے؟ نہیں! اس لیے مومن کی محبت اور اطاعت کا محور اللہ ہوتا ہے۔ یہ ہے دوسرا مقصدِ حیات! عائشہؓ دیکھا کرتیں کہ نبیؐ رات گھنٹوں نماز میں کھڑے رہتے، جس سے آپ کے پاؤں سوج جاتے تھے۔ آپؓ نے نبیؐ سے کہا: آپؐ نماز میں کیوں اتنی دیر تک کھڑے رہتے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے آگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ (بخاری 4837، مسلم 2820)۔ کیوں؟ کیونکہ جب انسان گہری نیند سے محض اس لیے بیدار ہوتا ہے کہ اپنے ربّ کی عبادت کرے، تو جان لو کہ اس نے دوسرا مقصدِ حیات پا لیا ہے۔ ہمارا ربّ اتنا مہربان ہے کہ، اگرچہ قارون نے اس کے رسول (موسیٰؑ) کو بدنام کرنے کی کوشش کی، پھر بھی اللہ اسے معاف کرنے کے لیے تیار تھا، اگر وہ اس سے توبہ کرتا (جو ہمارے دنیاوی قوانین کے مطابق ناقابل معافی جرم ہے)۔ انسان کے لیے سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ وہ اللہ کی محبت کو محسوس کر کے اس کی عبادت کر سکے۔ ایسا شخص اپنی زندگی میں خوشی، سکون اور استحکام پاتا ہے۔ اے میرے ربّ، تو ہمارے دل میں اس طرح بس کہ ہم تجھے دل و جان سے پیار کریں، تجھے راضی کرنے کے لیے تیری راہ میں جد و جہد کریں۔ آمین! **یہ ہے دوسرا ابنیادی مقصدِ حیات۔**

جو لوگ اللہ کو پہچاننے کے لیے عقل استعمال نہیں کرتے، ایسے لوگ اللہ کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔ اس پر ایک حدیث قدسی میں رسول اللہؐ نے فرمایا: اللہ فرماتا ہے: ابن آدم نے مجھے جھٹلایا اور اسے ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ اور اس نے مجھے گالی دی اور اسے ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ جہاں تک اس کے میرے انکار کا تعلق ہے تو یہ اس کا قول ہے: وہ مجھے اس طرح دوبارہ نہیں بنائے گا جیسا کہ اس نے مجھے پہلے بنایا تھا، اور اس کا دوبارہ بنانا میرے لیے اس کی ابتدا سے زیادہ آسان ہے۔ جہاں تک اس کا مجھے گالی دینے کا تعلق ہے، تو اس کا یہ قول ہے: اللہ نے اپنے لیے ایک بیٹا بنا لیا ہے، جب کہ میں ایک ہمیشہ رہنے والی ذات ہوں۔ نہ میں نے جنا ہے اور نہ میں جنا گیا ہوں، اور میرے مقابلے میں کوئی نہیں ہے (بخاری)۔

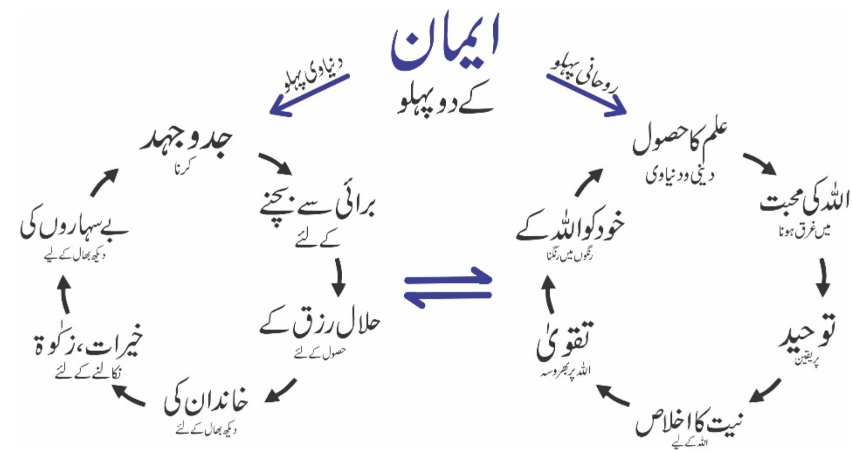

تخلیق کا تیسرا مقصدِ حیات: ہماری تخلیق اور اس کے ساتھ آنے والی آزمائشوں اور مصائب کا تیسرا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ ہم تمام تر مشکلات کے باوجود اچھے سماجی رویوں میں مہارت حاصل کریں۔ اللہ قرآن میں کہتا ہے کہ اس نے پھر ہمیں ہماری بدی اور ہماری پرہیز گاری ہم پر الہام کر دی۔ یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اُسے دبا دیا(91:8-10)۔ یعنی انسان کو اللہ کی تمام مخلوقات بالخصوص انسانوں کی دیکھ بھال میں مہارت حاصل کرنی ہوگی۔ یہاں میں یہ کہنا چاہوں گا: جس طرح ایک نرم دل بادشاہ ہمیشہ نرم دل نائبوں کو ترجیح دیتا ہے، جو اس کی رعایا کے لیے نرم دل ہوں۔ اسی طرح اللہ کی بارگاہ میں اپنے آپ کو بلند کرنے کے لیے اللہ کی صفات/رنگوں میں رنگنا ہوگا۔ اسی لیے قرآن کہتا ہے: "اللہ کا رنگ اختیار کرو، اللہ سے بہتر رنگ کون دے سکتا ہے" (2:138)۔ یعنی عدل کے دائرے میں رہتے ہوئے استقامت، بردباری، دوسروں کا خیال رکھنے، کمزوروں کی حفاظت، برائیوں سے بچنے، مضبوط سماجی ڈھانچہ بنانے وغیرہ میں مہارت حاصل کرنی چاہیے، چونکہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ صبر کرنے والا ہے، وہ کبھی جلدی نہیں کرتا اور وہ ہر کام اس کے بہترین وقت پر کرتا ہے، ہمیں بھی اس کے طریقے کو اپناتے ہوئے صبر سے کام لینا چاہیے اور کام کو اس کے صحیح وقت پر کرنا چاہیے۔

اللہ نے انسانیت کو ہدایت کے بغیر نہیں چھوڑا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نے بہت سی آسمانی کتابیں بنی نوع انسان کو عطا کیں اور اس کی آخری کتاب قرآن ہے۔ تخلیق کا تیسرا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان قرآن میں دی گئی ہدایت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ حکمت و شعور سے اپنے آپ کو اللہ کے

رنگوں میں رنگے تاکہ قرآن مجید میں مذکور تین بنیادی احکام اور تین بنیادی ممنوعات کے دائرہ میں رہتے ہوئے اپنے ساتھی انسانوں کے ماحول اور حالت کو بہتر بنائے۔ اللہ قرآن میں یہ بھی فرماتا ہے: اور اُس ذات کی قسم ! جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا، در حقیقت ! تم لوگوں کی کوششیں مختلف قسم کی ہیں (کچھ کنجوس ہیں، کچھ سخی ہیں، کچھ متقی ہیں اور کچھ خود پسند ہیں، کچھ سچے ہیں اور کچھ جھوٹے ہیں) تو جس نے (راہِ خدا میں) مال دیا اور اس کی نافرمانی سے پرہیز کیا اور بھلائی کو سچ مانا، اور اچھے انجام کو مانا اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے (92:3-7)۔ قرآن میں مذکور تین احکام اور تین ممانعتیں یہ ہیں: اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو (16:90)۔ **اوپر دی گئی آیت کے مطابق تین کرنے کے کام یہ ہیں:**

ا) انصاف کریں اور حقدار کو اس کا حق دیں، چاہے وہ خالق ہو یا مخلوق۔ اس میں تمام حقوق شامل ہیں۔ میں نے اپنی کتاب "حقوق" میں 29 حقوق کا ذکر کیا ہے۔ خالق کو ربّ بھی کہا جاتا ہے (یعنی ضروریات کو پورا کرنے والا، مشکل کشاء، رازق، اپنی مخلوق کی دعاؤں کو قبول کرنے والا وغیرہ)۔ اس کی کسی صفت کو اس کی مخلوق سے جوڑنا شرک کہلاتا ہے جو اس کے حق کی نفی ہے۔

ب) احسان: جب لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں کہ وہ ان سے ان کے اعمال کا حساب لے گا۔ ایسے لوگ زیادہ عاجز، انسان دوست اور مہربان ہوں گے۔ وہ دوسروں کو ان کے حقوق سے زیادہ دیں گے۔ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے، یا جب کوئی ان پر زیادتی کرتا ہے تو وہ صبر کرتے ہیں۔

ج) رشتوں کو باہم جوڑنا: اگر ہم رشتوں کو مضبوطی سے جوڑتے ہیں تو آدمؑ کی اولاد ہونے کے ناطے، یہ سلسلہ پوری انسانیت کو ایک ساتھ جوڑ دے گا۔ رشتہ جوڑنے کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی آپ کے ساتھ اچھا ہے تو آپ ان کے ساتھ اچھے ہوں۔ آپؐ نے فرمایا، "اگر ایسا ہے تو تم کاروبار کر رہے ہو، رشتہ داری نبھانا وہ ہے جب دوسرے تم سے اچھا سلوک نہ کریں، لیکن تم ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔"

تین چیزیں جن سے بچنا ضروری ہے وہ یہ ہیں:

ا) **غیر ازدواجی تعلقات اور بے حیائی سے پرہیز کرنا** (کیونکہ یہ معاشرے کی اخلاقیات کو تباہ کرتی ہیں)۔

ب) **تمام برائیوں سے بچنا، خصوصاً شرک سے**، کیونکہ یہ خالق کے حقوق کی نفی کرتا ہے۔ ہر برائی کسی نہ کسی کی حق تلفی کرتی ہے۔

ج) **ظلم اور زیادتی سے بچو۔** یہ انصاف کا انکار ہے، کیونکہ یہ دوسروں کے حقوق کو پامال کرتا ہے۔

زندگی کا تیسرا مقصدِ حیات نفوس پذیری کے قانون سے مماثلت رکھتا ہے۔ اس قانون کے مطابق چیزیں زیادہ ارتکاز سے کم ارتکاز کی طرف جاتی ہیں مثلاً روشنی، آگ سے گرمی وغیرہ۔ تمام جانداروں کی بقا کا انحصار اسی اصول پر ہے۔ مثلاً پتے میں موجود کلوروفل پانی اور روشنی سے پتے گلوکوز پیدا کرتے ہیں اور پھر اسے تمام پودے میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ جڑ پانی جذب کر کے پورے پودے کو پمپ کرتی ہے۔ اگر کوئی بھی حصہ اپنے پاس موجود چیز کو روک لے تو پودا مر جائے گا۔ اس اصول کے بغیر تمام جانداروں کا وجود ختم ہو جائے گا۔ تیسرے امتحان کا بنیادی مقصد اس اصول کو اپنی زندگی/معاشرے میں لاگو کرنا ہے (یعنی تمام پہلوؤں میں زیادہ ارتکاز سے کم ارتکاز کی طرف بہاؤ)۔ کسی نے کیا خوب کہا کہ دریا اپنا پانی خود نہیں پیتا، درخت اپنے پھل خود نہیں کھاتے، سورج اپنے اوپر نہیں چمکتا اور پھول اپنے لیے خوشبو نہیں پھیلاتے، یعنی دوسروں کے لیے جینا فطرت کا اصول ہے۔ تیسرے امتحان کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ ہم نے دوسروں کی مدد کرنے میں کتنی مہارت حاصل کی ہے، چاہے یہ کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو۔ جس معاشرے میں نفوس پذیری کا قانون لاگو نہیں وہاں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہو جاتا ہے، یعنی وہ زکوٰۃ، خیرات، صدقہ، عشر وغیرہ نہیں دیتے۔ ایسے معاشرے تباہ ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وقت کے ساتھ امیروں کا ایک چھوٹا سا غلیظ گروہ اکثریت کو غلام بنانے کے لیے معاشرے پر ظلم کرتا ہے۔ لہٰذا اسلام میں احسان کا حکم دو وجوہات کی بنا پر نافذ کرنا ضروری ہے۔ ایک اپنی نفسانی خواہشات کو دبانے کے لیے، اور دوسرا معاشرے کے کمزور طبقوں کو اٹھانے کے لیے۔ زندگی تب اچھی لگتی ہے جب آپ خوش ہوں، لیکن یہ تب اور زیادہ اچھی لگتی ہے جب آپ کی وجہ سے دوسرے خوش ہوتے ہیں۔

یہاں میں اس بات پر زور دینا چاہوں گا کہ نفوس پذیری کا قانون برائی پر لاگو نہیں ہونا چاہیے۔ میں اسے ایک مثال سے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ فرض کریں کہ ہمارے جسم کے کسی حصے کو گنگرین ہو جائے اور نفوس پذیری کے قانون کے مطابق یہ پورے جسم میں پھیل کر انسان کی جان لے سکتا ہے۔ لہٰذا، گنگرین کا حصہ کاٹ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح معاشرے کے برے کرداروں کو سزائے موت یا عمر قید کی سزا دی جاتی ہے۔ کیونکہ لا علاج برائی تیزی سے پھیلتی ہے، اسی لیے اسلام میں گھناؤنے جرائم کی سخت سزائیں ہیں۔

پس ایمان کے بعد تیسرا مقصد اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اخلاقی صفات کا حصول ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی صفات کیا ہیں؟ جیسا کہ اللہ بے حد رحیم ہے، اس لیے ہمیں بھی نرم دل ہونا چاہیے، تاکہ ہم اپنے اُوپر ہونے والی زیادتیوں کو نظر انداز کر سکیں۔ اللہ معاف کرنا پسند کرتا ہے، اس لیے ہمیں اپنے غصے پر قابو پانا

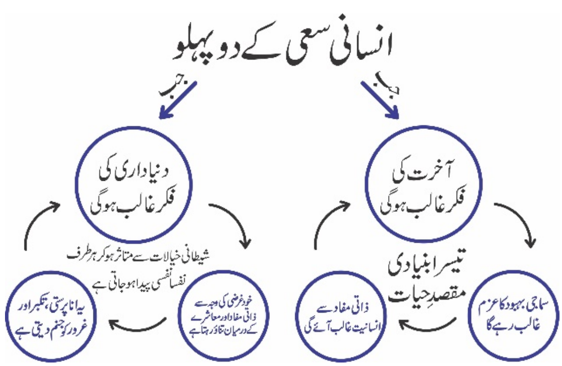

اور معاف کرنا سیکھنا چاہیے۔ اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی مخلوق پر احسان کرتے ہیں، اس لیے ہمیں آبادی کے کمزور طبقات وغیرہ کا معیارِ زندگی بلند کرنے کی کوشش کرنی چاہیے وغیرہ۔ میں نے اپنی کتاب "توحید" میں ننانوے اوصاف کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اللہ اپنی مخلوق سے ایک ماں سے ننانوے گنا زیادہ پیار کرتا ہے۔ لہٰذا، ہمیں انسانیت، خاص کر رشتہ داروں سے محبت اور ان کا خیال رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مزید اللہ قرآن میں فرماتا ہے: وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں (2:29)۔ اگر سب لوگ مالی، فکری اور حیثیت کے لحاظ سے برابر ہو جائیں تو نظام کام نہیں کرے گا، نفوس پذیری کے قانون کا وجود نہیں ہو گا اور نہ ہی معاشرے کا۔ لہٰذا دولت، علم اور حیثیت میں عدم مساوات معاشرے کے وجود کے لیے ضروری ہے (ٹیسٹ کے لیے بھی)۔ لہٰذا، معاشرے کے پھلنے پھولنے کے لیے، تینوں پہلوؤں میں بہاؤ زیادہ ارتکاز سے کم ارتکاز کی طرف ہونا چاہیے۔ یعنی دولت خیرات کے ذریعے ضرورت مندوں تک پہنچنی چاہیے، علم پڑھے لکھے سے ناخواندہ تک پہنچنا چاہیے اور عزت دار کو دوسرے کی عزت نفس کا خیال رکھنا چاہیے۔ اسی طرح، وصول کرنے والا فریق بھیک نہ مانگے، بلکہ محنت کرے، صبر کرے، اور اللہ پر بھروسہ رکھے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ صبر کرنے والا غریب مومن، امیر مومن سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہو گا۔ اگر ذرا غور کریں، قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہو گا اور اگر پانچ سو سال کا ہر دن اس کے برابر یا اس سے زیادہ کا ہوا تو امیر مومن جنت میں کب داخل ہو گا؟ دولت ہمیں اللہ کی طرف سے امانت کے طور پر فراہم کی گئی ہے۔ اس طرح، ہم فانی زندگی کی تمام لذتوں کے لیے جوابدہ ہیں (یعنی جتنا بڑا رتبہ، دولت، علم، اتنا ہی سخت احتساب ہو گا)۔ اس

کی وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ قرآن میں سورت 107 میں فرماتا ہے تم نے دیکھا اس شخص کو! جو آخرت کی جزا و سزا کو جُھٹلاتا ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے، اور مسکین کا کھانا دینے پر نہیں اکساتا۔ پھر تباہی ہے اُن نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں (بے خبر ہیں) جو ریاکاری کرتے ہیں اور معمولی ضرورت کی چیزیں (لوگوں کو) دینے سے گریز کرتے ہیں (ادنیٰ چیزوں میں بھی بخل کرتے ہیں، یعنی وہ ایمان والے جو ایمان نہیں رکھتے)۔ اللہ مزید کہتا ہے: واقعہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ سروسامان بھی زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ان لوگوں کو آزمائیں ان میں کون **بہتر عمل کرنے والا ہے** (یعنی جو نفوس پذیری کے قانون پر عمل کرتے ہوئے وہ اپنی دولت نادار کے ساتھ بانٹے، علم ناخواندہ کے ساتھ، اور حیثیت میں سب کے ساتھ برابری کا سلوک کرے چاہے غریب ہو یا امیر) (18:7)۔

یہ تخلیق کا اہم ترین مقصد ہے، جہاں انسان نے تمام مخلوقات بالخصوص انسانوں کی دیکھ بھال میں مہارت حاصل کرنی ہے۔ جو لوگ اس میں مہارت حاصل کرلیں گے یہ وہ خوش نصیب ہوں گے جو جنت میں داخل ہوں گے۔ وہاں وہ ایک دوسرے کا احترام اور خیال رکھیں گے (کیونکہ انہوں نے دنیا کی زندگی میں اس کے لیے اچھی تیاری کی تھی)۔ اللہ ہمیں قرآن میں بتاتا ہے کہ کون کامیاب ہوگا اور کیوں: کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے (بات اور غور و فکر کرنے کے لیے عقل)؟ اور کیا دونوں نمایاں راستے اسے (نہیں) دکھا دیے؟ مگر اس نے دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی، اور تم کیا جانو! کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کو غلامی سے چُھڑانا، یا فاقے (بھوک) کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا۔ پھر (اس کے ساتھ یہ کہ) آدمی اُن لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر اور (خلقِ خدا پر) رحم کرنے کی تلقین کی۔ یہ لوگ ہیں دائیں بازو والے (خوش بخت)۔ اور جنہوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کیا وہ بائیں بازو والے (کم بخت) ہیں، ان پر آگ چھائی ہو گی (90:8-20)۔ اللہ مزید قرآن میں فرماتا ہے: اور اس (آگ) سے دور رکھا جائے گا وہ نہایت پرہیز گار شخص جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے۔ اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ وہ تو صرف اپنے ربِّ برتر کی رضاجوئی کے لیے یہ کام کرتا ہے۔ اور ضرور وہ (اس سے) خوش ہو گا (92:17-21)۔ بدقسمتی سے انسان اپنے لالچ اور شیاطین انسانوں اور شیاطین جنوں کے وسوسوں کی وجہ سے اپنے ربّ کے احکامات کو نظر انداز کر دیتا ہے اور یہ رویہ معاشرے کی ہم آہنگی کو تباہ کرتا ہے۔

اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم ہوس اور خواہشات کے پیچھے جاتے ہیں (جو معاشرے کو تباہ کرتے ہیں) یا کسی ناخوشگوار اور تکلیف دہ چیز کی طرف جاتے ہیں جو کہ ایک مضبوط معاشرے کی تعمیر کا راستہ ہے (یہ بالکل ویسے ہی ہے جیسے اصلی گولیوں کے سائے میں سپاہی بننے کے لیے تربیت حاصل کرنا)۔ ہم انسان آخرت کے امتحان کو نظرانداز کر کے دنیاوی فائدے کے لیے محنت کرتے ہیں پھر بھی اپنے آپ کو جنتی سمجھتے ہیں۔ جہاں انصاف ہو گا، کیا وہاں یہ منطق چلے گی؟ نہیں! ذہن میں دو احادیث اور چند واقعات آرہے ہیں:
ایک دن فجر کی نماز کے بعد نبیؐ نے صحابہ سے پوچھا: تم میں سے کس نے کل رات صدقہ کیا تھا؟ کوئی نہیں اٹھا۔ آپؐ نے دوسری دفعہ پوچھا: تم میں سے کل رات کس نے صدقہ کیا تھا؟ پھر کوئی نہیں اٹھا۔ آپؐ نے تیسری دفعہ جذباتی ہو کر پوچھا: تم میں سے کل رات کس نے صدقہ کیا تھا؟ ایک صحابی گھبراتے ہوئے اٹھے اور کہنے لگے میں نے کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: تم کیوں پریشان ہو؟ میں نے فرشتوں کو رات بھر تمہارا اجر آسمان کی طرف لے جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ تم نے کیا صدقہ دیا تھا؟ صحابی نے کہا کہ مجھے رات نیند نہیں آرہی تھی، تو میں نے سوچا کہ کچھ صدقہ دوں۔ مجھے گھر میں کچھ نہ ملا جو میں صدقہ کر سکتا، میں پھر لیٹ گیا۔ پھر بھی نیند نہ آئی۔ میں اٹھا، دوبارہ سارا گھر چھان مارا پھر بھی مجھے خیرات کرنے کے لیے کچھ نہ ملا۔ میں پھر لیٹ گیا۔ پھر بھی نیند نہ آئی۔ میں اٹھا وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کی: اے میرے ربّ میں نے ان سب کو معاف کر دیا جن سے میں ناراض تھا، اس لیے تو بھی انہیں معاف کر دے (لہٰذا معاف کرنا سیکھو)۔ ایک اور حدیث میں نبیؐ نے فرمایا: جو اللہ سے معافی مانگتا ہے اسے چاہیے کہ وہ دوسروں کو معاف کرے۔ ابو بکر صدیقؓ جب خلیفہ تھے تو فجر کے بعد ایک نابینا بوڑھی عورت کے گھر کی صفائی کرتے اور اسے کھانا پکا کر اسے کھلایا کرتے (بغیر کچھ بولے)۔ آپؓ کی وفات کے بعد عمرؓ نے اس کام کو اپنے ذمہ لیا۔ آپؓ نے گھر کی صفائی کی، کھانا پکایا اور اس نابینا کے منہ میں لقمہ دیا۔ بوڑھی عورت نے دریافت کیا کہ کیا پہلے والا شخص فوت ہو گیا ہے؟ عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ اسکو کیسے پتہ چلا؟ وہ کہنے لگی وہ لقمہ چبا کر میرے منہ میں ڈالتا تھا کیونکہ میرے دانت نہیں ہیں (اے اللہ یہ بہت مشکل ہے۔ ہمیں، بھی دوسروں کا خیال رکھنے والا بنا۔ آمین)۔ ایک دن حسبِ دستور خلیفہ عمرؓ رات کو مدینہ کا گشت کر رہے تھے کہ آپؓ کو مضافات میں آگ کی روشنی نظر آئی۔ آپؓ تحقیق کرنے کے لیے گئے تو دیکھا ایک عورت ہانڈی میں کچھ پکا رہی ہے اور اس کے بچے رو رہے ہیں۔ آپؓ اس کی اجازت سے اس کے پاس گئے اور پوچھا کہ بچے کیوں رو رہے ہیں۔ وہ بولی یہ بھوکے ہیں اور میرے پاس انہیں کھلانے کو کچھ نہیں۔ میں نے پانی آگ پر رکھا ہوا

ہے کہ شاید وہ تھک کر سو جائیں۔ حضرت عمرؓ فوراً بیت المال گئے کھانے کا سامان سمیٹا اور اپنی کمر پر لاد کر وہاں پہنچے، کھانا پکایا، بچوں کو کھلا کر واپس آئے۔ یہ وہ کردار اور صفات ہیں جو اللہ ہم میں دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ وہ صفات ہیں جنہیں حاصل کرنے کے لیے ہمیں دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ **"لہٰذا اللہ کی خاطر دوسروں کا خیال رکھنا سیکھو۔"**

آخر میں وہ معاملہ جہاں تقریباً تمام انسان ناکام ہوتے ہیں: ایک دفعہ منافق عبداللہ بن ابی نے مومنین کی ماں عائشہؓ جو خلیفہ اول ابو بکر صدیقؓ کی بیٹی تھیں، پر بہتان لگایا۔ عبداللہ کے ساتھ بہتان تراشی میں پیش پیش ان کا اپنا رشتہ دار مسطح بن اثاثہ تھا جس کی ابو بکر صدیقؓ باقاعدگی سے مالی مدد کیا کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے عائشہؓ کو تہمت سے بری کر دیا تو ابو بکر صدیقؓ نے قسم کھائی کہ وہ پھر کبھی مسطح کی مدد نہیں کریں گے۔ قرآن نازل ہوا جس میں کہا گیا: تم میں جو لوگ صاحبِ فضل اور صاحبِ مقدرت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اپنے رشتہ دار، مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ لوگوں کی مدد نہ کریں گے۔ انہیں معاف کر دینا چاہیے اور در گزر کرنا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے ؟ اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور اور رحیم ہے (24:22)۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جو قسم کھائی تھی اس کو توڑ دیا، اس کا کفارہ دیا اور مسطح کو پہلے سے زیادہ دینا شروع کر دیا۔ **خواجہ میر درد نے کیا خوب کہا ہے:**

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

اللہ چونکہ تمام حاجات سے پاک ہے اور سب سے زیادہ رحم کرنے والا بھی ہے، اس لیے اللہ کے حقوق کی ادائیگی اللہ اور انسان کے درمیان ایک نجی معاملہ ہے۔ دوسری طرف انسان محتاج ہیں، اسی لیے انسان کو ایک دوسرے کے حقوق اور ضروریات پوری کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ حقوق اور سماجی بہبود کے کام شرعی قانون کی بنیاد ہیں جو ایک اسلامی ریاست کا بنیادی ستون ہے۔ ہم نے جو پڑھا ہے وہ دوسروں کے حقوق اور فرائض کی طرف اشارہ ہے، اس میں ہمدردی اور ساتھی انسانوں کی دیکھ بھال بھی شامل ہے، یعنی دوسروں کی بھلائی کے لیے اپنا وقت، دولت اور توانائی خرچ کرنا۔

آخر میں، اللہ قرآن میں فرماتا ہے: دوڑ کر چلو اُس راہ پر جو تمہارے ربّ کی بخشش اور اُس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے، اور وہ اُن خدا ترس لوگوں کے لیے مہیا کی گئی ہے جو

ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بد حال ہوں یا خوشحال جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں(3:133-134)۔ یاد رکھیں، وہ قومیں جہاں انصاف ناپید ہو، جہاں نفوس پذیری کے قانون کا نفاذ نہ ہو، اللہ ایسی قوموں کو دنیا میں رسوا کرتا ہے، ان سے اللہ کی نعمتیں اٹھ جاتیں ہیں اور ان کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ قرآن کی اس آیت کو تخلیق کے تیسرے مقصد کا نچوڑ کہا جا سکتا ہے: اور اے نبیؐ، نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اُس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے(41:34)۔ مزید کہتا ہے: اے نبیؐ! برائی کو اس طریقہ سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ (اِن کی شرارتوں سے خوبصورتی کے ساتھ در گزر کرو!)، جو کچھ باتیں وہ تم پر بناتے ہیں (ہرزہ سرائی کر رہے ہیں)، وہ ہمیں خوب معلوم ہیں۔ اس پر مجھے ایک قصہ یاد آگیا: یہودی بنی اسحاق سے نبوت کے چلے جانے پر نبیؐ کے دشمن بن گئے تھے۔ ایک دن ایک یہودی آپؐ سے ملنے آیا اور کہا "السام علیکم "(یعنی آپؐ مر جائیں)۔ اس پر عائشہؓ کو بہت غصہ آیا اور آپ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "السام علیک و لعنۃ اللہ علیک"۔ اس پر نبیؐ نے اس آیت کی وجہ سے آپؓ کو جھڑک کر منع کیا۔ جہاں اوپر دی گئی آیت تیسرے مقصدِ حیات کا نچوڑ ہے، اسی طرح یہ حدیث تیسرے مقصدِ حیات کی وضاحت ہے۔ نبیؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انسان سے کہے گا۔ "اے ابن آدم! میں بیمار تھا، لیکن تو نے میری عیادت نہیں کی، انسان متعجب ہو کر عرض کرے گا۔ اے میرے ربّ تو تو سارے جہان کا پروردگار ہے تو کب بیمار تھا، اور میں تیری عیادت کیسے کرتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا تجھے نہیں معلوم تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے۔ لیکن اس کے باوجود تو اس کی مزاج پرسی کے لیے نہیں گیا۔ اگر تو اس کے پاس جاتا تو مجھے (میری رضا) وہاں پاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا لیکن تو نے مجھے کھانا نہیں دیا۔ انسان عرض کرے گا اے ربّ! تو کب بھوکا تھا اور میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا لیکن تو نے اسے نہیں کھلایا۔ اگر تو نے اس کا سوال پورا کیا ہوتا تو مجھے (اس کا ثواب) وہاں پاتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے مجھ کو پانی نہیں پلایا۔ انسان عرض کرے گا۔ اے دونوں جہاں کے پروردگار! تو کب پیاسا تھا اور میں تجھے پانی کیسے پلاتا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا

لیکن تو نے اس کی پیاس بجھانے سے انکار کر دیا تھا۔ اگر تو نے اس کی پیاس بجھائی ہوتی، تو آج اس کا ثواب یہاں پاتا" (مسلم، حدیث قدسی 40/18)۔

کسی بزرگ سے کسی نے کہا کہ آپ مجھے کچھ نصیحت کریں۔ بزرگ نے کہا بس ایک چیز کا خیال رکھنا، کوئی تمہاری اللہ سے شکایت نہ کرے۔ نبیؐ نے فرمایا: گذشتہ زمانوں کے کسی آدمی کے پاس ملک الموت اُس کی روح قبض کرنے آیا تو اس سے پوچھا: کیا تجھے اپنی کوئی نیکی یاد ہے؟ وہ کہنے لگا کہ میرے علم میں تو کوئی نہیں۔ اس سے کہا گیا، ذرا اور توجہ سے سوچو۔ وہ کہنے لگا کہ میرے علم میں تو کوئی چیز نہیں سوائے اس کے کہ میں لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کرتا تھا تو مالدار کو مہلت دے دیا کرتا اور غریب آدمی سے در گزر کرتا رہتا تھا۔ اِس نیک عمل کے سبب اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل کر دیا، کیونکہ یہ اللہ کے رنگوں میں سے ایک رنگ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ نبیؐ نے فرمایا: "جس نے کسی نادار مقروض کو مہلت دی یا اس کے قرض کا کچھ حصہ معاف کر دیا۔ اس کی جزا یہ ہے: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا اور اسے جنت میں داخل کرے گا۔" کیوں؟ کیونکہ وہ مقروض کے ساتھ شفقت کرتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اسے معاف کر دے گا۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہؐ نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ ہیں جو لوگوں کے لیے سب سے زیادہ فائدہ مند ہوں۔ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل یہ ہے کہ کسی مسلمان کو خوش کر دیا جائے، یا اس کی کسی مصیبت کو دور کیا جائے، یا اس کا قرض معاف کر دیا جائے، یا اس کی بھوک مٹا دی جائے۔ آپؐ نے فرمایا: اگر میں کسی بھائی کے ساتھ اس کی حاجت کے لیے چلوں تو یہ مجھے اس مسجد (مسجد نبوی) میں ایک مہینے کا اعتکاف کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ جو اپنے غصے پر قابو رکھے گا اللہ اس کے عیب چھپائے گا۔ جس نے حق پر ہوتے ہوئے بھی اپنے غصے کو دبایا تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو قیامت تک محفوظ رکھے گا۔ جو شخص اپنے بھائی کے ساتھ اس کی حاجت کے لیے چلتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے پورا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قدموں کو پل صراط پر جما دے گا جس دن پاؤں ہلائے جائیں گے (تیسرا مقصدِ حیات) (المعجم الاوسط 139/6)۔

جب ہم اپنے ملک کی صورتحال کو سمجھنے کے لیے خاکے پر غور کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ جو قوم نفسا نفسی میں مبتلا ہوتی ہے، اس کا نظامِ عدل درہم برہم ہو جاتا ہے، ہر طرف ظلم و زیادتی عام ہو جاتی ہے، ایسی

قومیں نہ صرف اپنے اخلاقیات کو کھو دیتی ہیں بلکہ اللہ کی رحمت سے بھی محروم ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اسلام کے اس اہم حکم کو نظرانداز کیا جو لوگوں کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے اور وہ ہے (امر بالمعروف) نیکی کا حکم دینے اور حق کے ساتھ کھڑے ہونے اور (نہی عن المنکر) برائی کے خلاف کھڑے ہونے کا۔ کسی شاعر نے ایسے لوگوں کے بارے میں کیا خوب لکھا ہے جو اسے نظرانداز کرتے ہیں:

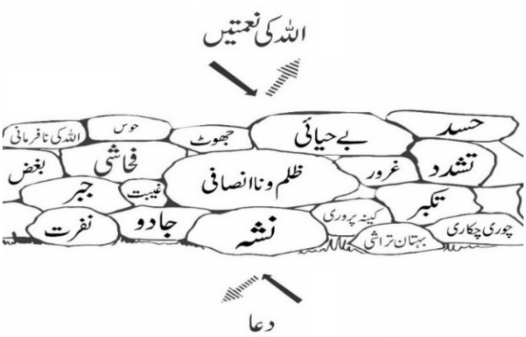

جب کوئی معاشرہ اپنی اخلاقیات کھو بیٹھتا ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

ہوتی نہیں جو قوم حق بات پہ یک جا
اس قوم کا حاکم ہی فقط اس کی سزا ہے

اور جب کوئی قوم چھوٹے سے بد دماغ غلیظ امیر طبقے کی قید قبول کر لیتی ہے تو اس قوم میں درج ذیل صفات پیدا ہو جاتی ہیں جنہیں شاعر نے یوں بیان کیا ہے:

چلتے ہیں دبے پاؤں کہ کوئی جاگ نہ جائے
غلامی کے اسیروں کی یہی خاص ادا ہے

بد قسمتی سے کئی نسلوں سے علماء اس غلط تصور پر زور دیتے رہے ہیں کہ جنت میں داخل ہونے کے لیے توحید، نماز، حج، روزہ وغیرہ ہی شرط ہیں۔ یہ حقیقت سے بہت بعید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اپنے اور مخلوق کے حقوق کا پابند بنایا ہے۔ اللہ کے حقوق میں کوتاہی کا مطلب ہے کہ الرحمٰن ہم سے حساب لے گا۔ عدل کے مظہر کو مد نظر رکھتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حکم دیا کہ جس شخص پر ظلم ہوا، اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ قیامت کے دن مجرم کو معاف کرے یا نہ کرے۔ لہٰذا حقوق العباد میں کوتاہی کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے حقوق اور فرائض میں ہم نے کوتاہی کی ہے اس سے معافی کی ضرورت ہو گی۔ قیامت والے دن جہاں ماں اپنے بیٹے کو ایک نیکی دینے کی روادار نہ ہو گی، کیا ہم نے کبھی سوچا ہے کہ ہمارا کیا بنے گا؟ اس لیے ہمیں دوسروں کے ساتھ کی جانے والی زیادتیوں کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس دن

وہ شخص جس نے اپنے ساتھی کے حقوق کو پامال کیا اور توبہ نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں لے کر مظلوم کے پلڑے میں رکھ دے گا۔ اس بات کی مزید وضاحت کے لیے چند احادیث ذہن میں آتی ہیں: نبیؐ کو بتایا گیا: "ایک عورت ہے جو رات کو تہجد پڑھتی ہے، دن میں روزہ رکھتی ہے، تمام نیک کام کرتی ہے اور صدقہ دیتی ہے، لیکن وہ **اپنی زبان** سے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے۔" آپؐ نے فرمایا: "اس میں کوئی خیر نہیں۔ وہ جہنم میں جائے گی۔" صحابہ نے عرض کیا کہ ایک دوسری عورت ہے جو صرف فرض نمازیں پڑھتی ہے اور تھوڑا صدقہ دیتی ہے لیکن کسی کو تکلیف نہیں دیتی۔ اس کے پڑوسی اس کے رویے سے خوش ہیں۔" نبیؐ نے فرمایا کہ وہ اہل جنت میں سے ہے" (بخاری)۔ نبیؐ نے اپنے صحابہ سے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ انہوں نے کہا، "جس کے پاس پیسہ یا سامان نہیں ہے وہ مفلس ہے۔" نبیؐ نے فرمایا: "بے شک میری امت کے مفلس وہ ہیں جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور صدقہ کے ساتھ آئیں گے، بلکہ غیبت، بہتان تراشی، ناجائز طریقہ سے مال کھانے، خون بہانے اور مار پیٹ کے ساتھ آئیں گے۔ ہر مظلوم کو اس کی نیکیوں میں سے دیا جائے گا۔ اگر اس کی نیکیاں عدل سے پہلے ختم ہو گئیں تو ان کے گناہ اس کے پلڑے میں ڈالے جائیں گے اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا" (مسلم 2581)۔ نبیؐ سے پوچھا گیا: بہترین مسلمان کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: "وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے تمام مسلمان محفوظ ہیں" (بخاری) نبیؐ نے فرمایا: وہ مومن نہیں جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو (بخاری 6016)۔ نبیؐ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے" (بخاری)۔ اسی لیے نبیؐ نے یہ بھی فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ روزہ، نماز اور صدقہ سے بہتر کیا چیز ہے؟ وہ لوگوں کے درمیان اچھے تعلقات اور امن کو برقرار رکھنا ہے، کیونکہ جھگڑے اور برے تعلقات انسانیت کو تباہ کر دیتے ہیں (بخاری)۔

لوگوں کے حقوق باہمی تعلقات کو سمجھنے اور قائم کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ انسانی تعلقات کے بارے میں یہ نقطہ نظر اتنا ہی اہم ہے جتنا اللہ کے ساتھ ہمارا تعلق ہے۔ اس سے حقوق انسانی سے غفلت کی سنگینی اور اللہ کے نزدیک اس کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اسلامی معاشرے میں رواداری، قبولیت اور استقامت کی بنیاد حقوق العباد ہیں۔ اسلام زندگی، آزادی، سلامتی اور انصاف کے بنیادی حقوق کو تسلیم کرتا

ہے اوران کا عہد کرتا ہے۔اسے بچانے کے لیے سماجی جرائم کی سزاؤں پر بھی زور دیا گیا ہے جیسے کہ چوری، قتل، بہتان، بے حیائی، جنسی زیادتی وغیرہ۔

حسن اخلاق اسلام کا سب سے اہم پہلو ہے۔اسی لیے قیامت کے دن عبادات ہماری قسمت کا فیصلہ کن عنصر نہیں ہوں گی، بلکہ ہمارااخلاق و کردار اور دوسروں کے ساتھ ہمارا برتاؤ ہماری قسمت کا فیصلہ کریں گے۔ دوسروں کے ساتھ ہماری بد سلوکی، بداخلاقی اور برائیوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری نیکیاں ان کو معاوضہ میں دی جائیں گی اور اگر ہماری نیکیاں کم پڑ گئیں توان کے گناہ ہمارے پلڑے میں ڈال دیے جائیں گے۔ یہ مؤثر طریقے سے اس بات پر روشنی ڈالتی ہے کہ دوسروں کے ساتھ ہمارا برتاؤ ہماری عبادات سے زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ ہمارا کردار اور ہماری عبادات ہمارے ایمان کو معنی دیتے ہیں۔ اسی طرح صبر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خود کچھ نہ کریں اور ہر پریشانی کو اپنے اوپر حاوی ہونے دیں۔ صبر کا مطلب ہے کوشش کرنااور شکایت نہ کرنا۔ صبر آسان نہیں، تھکا دینے والا ہے، لیکن اس کا نتیجہ آخرت میں ملے گا۔ لہٰذااللہ سے محبت کا اثر ہمیشہ مخلوقات بالخصوص انسانوں کی بھلائی کا خیال رکھتے ہوئے ظاہر ہونا چاہیے۔ لوگوں کے حقوق کی ادائیگی بھی تقویٰ کے لیے ضروری ہے کیونکہ تقویٰ والا دل کبھی اللہ کی مخلوق سے غافل نہیں ہوتا۔ یہاں میں زور دینا چاہوں گا کہ تیسرے مقصد میں ناکامی کا مطلب زندگی کے چوتھے مقصد میں بھی ناکامی ہے۔ کیونکہ ہم نے اپنے اخلاق اور کردار سے لوگوں کواللہ کی طرف بلانا تھا۔

اہل ایمان کے لیے یہ بات باعثِ تشفی ہوگی کہ یومِ حساب اللہ حقیقی وجوہات کی بناپر متاثرہ فریق کو اپنی طرف سے صلہ دے گا جس کے حقوق مومن نے پامال کئے۔اس کی وضاحت کے لیے ایک حدیث میں نبیؐ نے فرمایا: قرض دار کو قیامت کے دن اللہ کے حضور بلایا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: "اے ابن آدم! تونے قرض کیوں لیااور دوسروں کے حقوق کیوں پامال کیے؟" وہ آدمی جواب دے گا: اے میرے ربّ! تو جانتا ہے کہ میں نے اس سے قرض لیا تھا، لیکن میں نے نہ غلط استعمال کیااور نہ ہی اسے کھویا۔ وہ چوری ہو گیا یاآگ میں ضائع ہو گیا یا نقصان کی وجہ سے ختم ہو گیا۔" اللہ تعالیٰ فرمائے گا: **میرے بندے نے سچ کہااور اس کا قرض ادا کرنے کا مجھ پر زیادہ حق ہے۔** اللہ کے حکم سے اس کے ترازو میں کچھ رکھا جائے گا جس سے اس کے اعمال صالحہ اس کے معاوضے سے زیادہ ہو جائیں گے۔ اور اللہ کی رحمت سے وہ جنت میں داخل ہو گا۔اسی طرح اگر وہ شخص جس نے اپنے ساتھی انسان پر ظلم کیا ہو اور اس

کے حقوق کو ناحق غصب کیا ہو لیکن اللہ تعالیٰ سے اپنی زندگی میں ہی سچی توبہ کی درخواست کی ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس شخص کی توبہ قبول فرمائے گا اور اسے بخش دے گا۔ اور اپنی طرف سے مظلوم کو بدلہ دے گا۔ اسی لیے نبیؐ دعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ مجھ پر تیرے بہت سے حقوق واجب ہیں جو میں پورے نہیں کر سکا اور مجھ پر تیری مخلوق کے بہت سے حقوق واجب ہیں جو میں پورے نہیں کر سکا۔ اے اللہ مجھ پر جو تیرے حقوق واجب ہیں تو ان کو معاف فرمادے، اور مجھ پر جو تیری مخلوق کے حقوق واجب ہیں تو ان کا ذمہ لے لے۔ تخلیق کے تیسرے مقصد کا ایک حصہ یہ ہے کہ دوسروں پر کی جانے والی زیادتیوں کو کم نہ سمجھا جائے۔ اسی لیے علامہ اقبال نے کہا ہے:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
ہمسایۂ جبریل امین، بندہ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن

اس ساری گفتگو کا لبِ لباب یہ ہے: اچھے سے اچھے پھول کی مہک کچھ دن بعد ختم ہو جاتی ہے، پر اچھے اخلاق کی مہک انسان کی موت کے بعد بھی رہتی ہے۔ جس طرح سفیدی دودھ کے ساتھ جُڑی ہے، مٹھاس شہد کے ساتھ جُڑی ہے، اسی طرح دونوں جہانوں کی کامیابی، ہمدردی، اخلاق اور اخلاص سے جُڑی ہے۔ کیا خوب کسی نے کہا: خیالوں کی حفاظت کرو یہ الفاظ بن جاتے ہیں۔ الفاظ کی حفاظت کرو یہ اعمال بن جاتے ہیں۔ اعمال کی حفاظت کرو یہ کردار بن جاتے ہیں۔ کردار کی حفاظت کرو یہ جہنم کا ایندھن بن جاتے ہیں۔ ایک سچا عاشق ہمیشہ اپنے محبوب کے رنگ میں رنگ جاتا ہے صرف اسے خوش کرنے کے لیے۔ اس طرح، ہمیں بھی صرف اللہ کو خوش کرنے کے لیے دوسروں سے محبت اور ان کا خیال رکھنا چاہیے۔ یہاں مجھے تنبیہ کے لیے کسی کے چند پڑھے اشعار یاد آگئے:

ڈرتا ہوں موت سے مگر مرنا ضروری ہے

لرزتاہوں کفن سے مگر پہنناضروری ہے
ہو جاتا ہوں غمگیں جنازے کو دیکھ کر
لیکن میرا جنازہ بھی اٹھناضروری ہے
ہوتی ہے مجھے کپکپی قبروں کو دیکھ کر
پر مدتوں اس قبر میں رہنا ضروری ہے

قرآن تخلیق کے تیسرے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے نصیحت کرتا ہے، جن میں سے چند حسبِ ذیل ہیں:

اللہ کی بندگی کرو اوراس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ(4:36)۔ کیونکہ تیرے ربّ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اُس کی۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک، یا دونوں، بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اُف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو(17:23)۔ قرابت داروں کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔ مہربانی کرو یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ، حُسنِ سلوک سے پیش آؤ، پڑوسی سے، پہلو کے ساتھی سے، مسافر سے، اور غلاموں سے جو تمہاے قبضہ میں ہیں۔ متکبر اور گھمنڈی نہ بنو، نہ بخل کرو اور نہ ہی دوسروں کو بخل کرنے کی تلقین کرو(4:36-37)۔ ایک میٹھا بول اور ناگوار بات پر چشم پوشی اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دکھ ہو(2:263)۔ اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو (یعنی بغیر تصدیق افواہیں نہ پھیلاؤ)(49:6)۔ اگر اہلِ ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والوں سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو۔ اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے(49:9)۔ مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو(49:10)۔ نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے یاد کرو۔(49:11)۔ بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو، اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے(49:12)۔ لوگو، ہم نے پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک

دوسرے کو پہچانو (نہ کہ ایک دوسرے سے بغض رکھو)(49:13)۔ مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ؐ پر ایمان لائے پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔(49:15)۔ تمہارا اسلام لانا اللہ اور اس کے رسول ؐ پر احسان نہیں، بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے، کہ اُس نے تمھیں ایمان کی ہدایت دی(49:17)۔ کسی جان کو قتل نہ کرو جب تک کہ وہ قتل یا زمین میں فساد پھیلانے کے لیے نہ ہو۔ ورنہ یہ ایسا ہو گا جیسے اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے ایک جان بچائی گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بچائی (5:32)۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، سوائے اپنی بیویوں اور کنیزوں کے(70:29-30)۔ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کو پورا کرو(70:32)۔ اپنی شہادتوں میں سچے بنو(70:33)۔ اپنی نمازوں کی حفاظت کرو (دوسرا مقصد)(70:34)۔ انصاف کے علمبردار اور حق کی گواہی دینے والے بنو، خواہ یہ تمہارے خلاف ہو یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف، یا امیر یا غریب کے خلاف (4:135)۔ زمین پر عاجزی کے ساتھ چلو(25:63)۔

حدیثوں سے: جنہیں تم جانتے ہو اور جنہیں تم نہیں جانتے انہیں سلام کرو (بخاری)۔ لوگوں کو دیکھ کر مسکراؤ اور ان سے خوش دلی سے ملو (داؤد)۔ درخت لگاؤ یا بیج بوؤ، یہ تمہارے لیے صدقہ جاریہ ہے (بخاری)۔ جانوروں کی دیکھ بھال کرو (بخاری)۔ روزمرہ استعمال کی چیزیں دوسروں کو ادھار دو (بخاری)۔ دوسروں کو کھانے پر مدعو کرو(بخاری)۔ نصیحت کے طلبگار کو مخلصانہ نصیحت کرو (مسلم)۔ دوسروں کے عیب ظاہر نہ کرو(ابوداؤد)۔ لوگوں کی ان کے کام میں مدد کرو(بخاری)۔ معذور شخص کو سہولت فراہم کرو(بخاری)۔ پیاسوں کو پانی پلاؤ(بخاری)۔ راستے سے رکاوٹیں ہٹاؤ (مسلم)۔ بلاوجہ بحث نہ کرو خواہ تم صحیح ہو (ابوداؤد)۔ چھینکنے والے کو دعا دو (بخاری)۔ بیمار کی عیادت کرو (بخاری)۔ جنازے کے ساتھ چلو (بخاری)۔ اخلاقی لحاظ سے بہترین وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ جب عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ نبیؐ اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ آپؓ نے کہا، آپ گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے۔ اپنے بھائی کے لیے وہی چاہو جو تم اپنے لیے چاہتے ہو۔ دھوکہ دینے اور ملاوٹ کرنے والا ہم میں سے نہیں۔ عاجزی اختیار کرو اور اپنے آپ کو کسی اور سے بہتر نا سمجھو، کیونکہ تم خاک ہو، اور تم خاک میں لوٹ جاؤ گے۔

اس مقصدِ حیات کا نچوڑ: قرآن کہتا ہے: اے مسلمانو، اگر کسی کو تکلیف میں دیکھ کر تمہارا دل نہیں پسیجتا یا تم میں ہمدردی پیدا نہیں ہوتی، تو تم ہر گز نیکی کے مقام کو نہیں پہنچ سکتے اے مسلمانو اگر اپنی محنت سے

کمائی ہوئی دولت کو دوسروں پر خرچ کرتے ہوئے تمہیں دکھ ہو، تو تم ہر گز نیکی کے مقام کو نہیں پہنچ سکتے۔اے مسلمانو، اگر تم ایک دوسرے کا دُکھ نہیں بانٹتے یا ایک دوسرے کا درد محسوس نہیں کرتے، تو تم ہر گز نیکی کے مقام کو نہیں پہنچ سکتے۔اے مسلمانو، اگر تم بخیل یا کٹھور دل ہو، تو تم ہر گز نیکی کے مقام کو نہیں پہنچ سکتے۔اس کی مثال پیش کرنے کے لئے ، نبیؐ نے ہمیں دو عورتوں کی کہانی سنائی، جہاں ایک طوائف نے پیاسے کتے کو پانی پلایا، وہ جنتی بن گئی ،اور دوسری طرف ایک متقی عورت اپنی بلی کو کمرے میں بند کر کے دوسرے شہر چلی گئی۔بلی پیاس اور بھوک سے مر گئی، اور وہ دوزخی بن گئی۔قرآن کہتا ہے جس کے دل میں ہمدردی نہیں وہ شخص عالم ہو سکتا ہے، مفتی ہو سکتا ہے، پیر ہو سکتا ہے، عابد ہو سکتا ہے، زاہد ہو سکتا ہے، لیکن وہ نیک نہیں ہو سکتا۔اے مسلمانو، زندگی کے تیسرے مقصد کے امتحان میں کامیاب ہوئے بغیر، آخرت میں ہر حیثیت صفر ہے۔ہمارا زوال اس لیے شروع ہوا کہ ہم، ہمارے مفتیان اور ہمارے علماء نیکی کھو چکے تھے۔اللہ قرآن میں کہتا ہے: تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو **جنہیں تم عزیز رکھتے ہو** اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ اس سے بے خبر نہ ہو گا(3:92)۔مزید قرآن میں کہتا ہے: نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یومِ آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے **اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے**، (پھر) نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں، اور تنگی و مصیبت کے وقت اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں(2:177)۔یہ سب لکھتے ہوئے مجھے اپنی دو نظمیں یاد آ گئیں، جو میں نے شکوہ وجوابِ شکوہ کی طرز پر لکھی ہیں۔

حکم دیا نبیؐ محترم نے

روک لے آنسو اپنے پونچھ اوروں کے تو
کیسے کروں یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا
پی جا غم اپنے، اور بانٹ اوروں کے تو
کیسے بھولوں یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا

ہے دعویٰ تیرا، تو نبیؐ سے عشق ہے کرتا
تو بتا حکم پر ان کے، عمل کیوں نہیں کرتا

نہ تو بھر پیٹ اپنا بانٹ اوروں میں تو
رہوں بھوکا؟ یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا
نہ دِکھاوے سے دُکھا دل جہاں کا تو
رہوں بے ریا، یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا

ہے دعویٰ تیرا، تو نبیؐ سے عشق ہے کرتا
تو بتا حکم پر ان کے، عمل کیوں نہیں کرتا

نا کر نا لاڈ تو بچوں سے مسکیں کے سامنے
میں نا کروں لاڈ یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا
نا بُلا بیوی کو پیار سے بیوہ کے سامنے
نا بلاؤں پیار سے یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا

ہے دعویٰ تیرا، تو نبیؐ سے عشق ہے کرتا
تو بتا حکم پر ان کے، عمل کیوں نہیں کرتا

ہے صفائی نصف ایماں یہ یاد رکھ ہر دم تو
رکھوں کیسے صفائی یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا
بنا کر رکھ اپنے سارے ہمسایوں سے تو
بنا کر کیسے رکھوں یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا

ہے دعویٰ تیرا، تو نبیؐ سے عشق ہے کرتا
تو بتا حکم پر ان کے، عمل کیوں نہیں کرتا

سدا رکھنا بنا کر رشتے داروں سے اپنے تو
میں کروں صلہ رحمی، یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا
رکھنا سدا بچا کر خود کو تکبر سے تو
بن کر رہوں عاجز یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا

ہے دعویٰ تیرا، تو نبیؐ سے عشق ہے کرتا
تو بتا حکم پر ان کے، عمل کیوں نہیں کرتا

میں مدعی بنوں گا کافروں کا تنگ نہ کرنا تو
خیال ان کا رکھوں میں یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا
اگر ہے مسلماں ناجھوٹ بولنا کبھی بھی تو
نہ جھوٹ بولوں کیسے یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا

ہے دعویٰ تیرا، تو نبی سے عشق ہے کرتا
تو بتا، حکم پر ان کے، عمل کیوں نہیں کرتا

پلٹتی ہے گالی اپنوں پر جو دیتا ہے تو
پلٹتی ہے تو پلٹے یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا
معاف کرنا سیکھ گر معافی چاہتا ہے تو
میں کیسے کر دوں معاف یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا

ہے دعویٰ تیرا، تو نبی سے عشق ہے کرتا
تو بتا حکم پر ان کے، عمل کیوں نہیں کرتا

کیونکہ ہے تو انساں فطرتاً معاشرتی ہے تو
انا اپنی مٹادوں یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا
اے عاصی حلیم، یاد رکھنا منصفِ اعلیٰ ہے ربّ
مدد تیری کرے وہ ناانصافی کر نہیں سکتا

ہے دعویٰ تیرا، تو نبی سے عشق ہے کرتا
تو بتا حکم پر ان کے، عمل کیوں نہیں کرتا

تو نبیؐ محترم کا جواب یہ ہوتا

کاش آنسو پونچھ لیتا اوروں کے تو
تیرے آنسو کو نہ گرنے دیا ہوتا
کاش رکھتا اوروں کے زخموں پہ مرہم تو
تجھ سے دکھ دور ترا کر دیا ہوتا

گر اپنا لیتا اوصاف مسلمانوں کے تو
معاشرے میں اعلیٰ مقام پالیا ہوتا
گر کبھی کھلاتا بھوکوں کو الفت سے تو
تجھ کو زمانے سے بے پرواکر دیا ہوتا
تنگ نہ گر کرتا لوگوں کو دکھاوے سے تو
خود کو تونے حسد و بغض سے بچالیا ہوتا
گر اپنا لیتا اوصاف مسلمانوں کے تو
معاشرے میں اعلیٰ مقام پالیا ہوتا
گر کیا ہوتا احساس یتیموں کا تونے
انہیں احساسِ محرومی سے بچالیا ہوتا
گر کرتا خیال تو بیوہ کی تنہائی کا
تونے بزم کو اپنے فتنوں سے بچالیا ہوتا
گر اپنا لیتا اوصاف مسلمانوں کے تو
معاشرے میں اعلیٰ مقام پالیا ہوتا
گر رکھتا صاف ستھرا اپنے ماحول کو تو
بیماری سے بچوں کو تونے بچالیا ہوتا
گر کرتا صرفِ نظر ہمسایہ کی ترشی کو تو
تعظیم ملتی جنت میں گھر بنالیا ہوتا
گر اپنا لیتا اوصاف مسلمانوں کے تو
معاشرے میں اعلیٰ مقام پالیا ہوتا
گر رکھتا رشتوں سے تعلق بنا کر تو
آپس میں پھر بھائی چارہ بن گیا ہوتا
گر رکھا ہوتا تونے خود کو تکبر سے دور
تو نہ بہکتا اور نہ ظالم بن گیا ہوتا

گر اپنا لیتا اوصاف مسلمانوں کے تو
معاشرے میں اعلیٰ مقام پالیا ہوتا
کاش سمجھتا نہ بے دیں کو کم تر تو
اپنے دیں سے دور تو نہ ہو گیا ہوتا
کاش سمجھتا جھوٹ بولنے کو بُرا تو
خوار زمانے میں تو نہ ہو گیا ہوتا
گر اپنا لیتا اوصاف مسلمانوں کے تو
معاشرے میں اعلیٰ مقام پالیا ہوتا
گر نا اپناتا بدزبانی کی عادت تو
اپنے سماج کو جھگڑوں سے بچا لیا ہوتا
گر اپناتا درگذر کرنے کی عادت تو
ربّ سے معافی کا پروانہ مل گیا ہوتا
گر اپنا لیتا اوصاف مسلمانوں کے تو
معاشرے میں اعلیٰ مقام پالیا ہوتا
خیال رکھا ہوتا کبھی تو نے اوروں کا
مقام تیرا بھی عالم میں بن گیا ہوتا
حلیم گر سب کریں ربّ و بندوں کے حق ادا
بلندی پر تیری قوم کو پہنچا دیا ہوتا
گر اپنا لیتا اوصاف مسلمانوں کے تو
معاشرے میں اعلیٰ مقام پالیا ہوتا

سبق: جب ہم صبر کرتے ہیں اور معاملات کو اللہ کے حوالے کرتے ہیں، تو اللہ بھی پھر یا تو وہ چیز ہمیں دے دیتا ہے یا پھر ہمارے دل کو نصیب پر راضی کر دیتا ہے۔ یہاں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ٹینشن سے بچ کر ہم اپنے آپ کو بیمار ہونے سے بچاتے ہیں۔ اور ہمارا سوہنا ربّ بھی یہی چاہتا ہے۔ مفتی مینک کہتا ہے کہ ذہنی سکون کے لیے اپنے دلوں سے غصہ، ناراضگی، الزام اور فکر کو نکال دو۔ اسی لیے نبیؐ نے فرمایا: "میں

اس شخص کے لیے جنت میں ایک گھر کی ضمانت دیتا ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا ترک کر دے۔"اے اللہ تیرے رنگوں میں رنگنا بہت مشکل ہے، ہم میں اپنی محبت بڑھا کر ہماری مدد فرما۔ ہمیں فقط تیری رضا کے لیے تیری مخلوق سے پیار کرنے والا بنا۔اے ہمارے سوہنے ربّ، ہمارے مالک، تو ہمارا داتا، حاجت روا، مشکل کشاء ہے۔اے ہمارے پالن ہار، اگر ہم کسی کے بچے پر ظلم کریں اور اگر اس میں استطاعت ہے تو ہماری گردن اپنے گھٹنے کے نیچے دبا دے گا، جبکہ اس کا اپنے بچے سے ایک تہائی ماں کا پیار ہے، ہائے مالک تو اپنی مخلوق سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے اور تو قادرِ مطلق ہے، ہائے ہم مجرموں کا کیا بنے گا؟ اے سوہنے ربّ ہمیں معاف کر دے اور ہمارے متاثرین کی تلافی کا تو ذمہ لے لے ورنہ ہم یومِ جزا بدبخت اور کنگلے ہوں گے۔ اے ہمارے سوہنے ربّ، ہمیں تیری محبت میں آنسو بہانے ، اور صرف تیری خوشنودی کی خاطر تیری مخلوق کا خیال رکھنے کی توفیق عطا فرما۔ سوہنے ربّ تو ہم سے راضی ہو جا۔اے ہمارے ربّ، تو ہمارے دل میں اس طرح بس کہ ہم تجھے دل و جان سے پیار کریں، تجھے راضی کرنے کے لیے تیری مخلوق سے پیار کریں اور ان کا خیال رکھیں۔ آمین!

اے مسلمانو، جس قوم نے زندگی کا تیسرا مقصد حاصل کر لیا، اس قوم کا حال ایسا ہو جاتا ہے: عدی بن حاتمؓ کہتے ہیں: میں رسول اللہؐ کے پاس تھا جب آپ کے پاس دو آدمی آئے: ان میں سے ایک تنگدستی کی شکایت کر رہا تھا، جبکہ دوسرا ڈاکوؤں کی شکایت کر رہا تھا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: جہاں تک ڈاکوؤں کا تعلق ہے تو یہ تھوڑے وقت کے بعد ایک قافلہ بغیر محافظ کے مکہ سے نکلے گا (انصاف کی وجہ سے)۔ جہاں تک غربت کا تعلق ہے، قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ تم میں سے کوئی اپنا صدقہ لے کر پھرے گا اور کوئی اس سے قبول کرنے والا نہ ہو گا (جہاں اکثریت نے تیسرا مقصد حاصل کیا ہو گا)۔ پھر ہر کوئی اللہ کے سامنے ضرور کھڑا ہو گا، اللہ کے اور اس کے درمیان نہ کوئی پردہ ہو گا اور نہ کوئی ترجمان۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: کیا میں نے تمہیں مال نہیں دیا تھا؟ اور وہ کہے گا: ہاں! پھر وہ پوچھے گا: کیا میں نے تمہارے پاس کوئی رسول نہیں بھیجا تھا؟ اور وہ کہے گا: ہاں! وہ اپنے دائیں طرف دیکھے گا اور جہنم کی آگ کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا، پھر بائیں طرف دیکھے گا اور اسے جہنم کی آگ کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا، لہٰذا تم میں سے ہر ایک اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچائے، خواہ وہ آدھی کھجور کے ساتھ ہو۔ اور اگر نہ ملے تو ہمدردی کے الفاظ سے (تیسرا مقصدِ حیات) (بخاری 40/13)۔ یاد رکھیں، وہ قومیں جہاں انصاف نہ ہو

اور جہاں نفوس پزیری کے قانون کا نفاذ نہ ہو، اللہ ان قوموں کو دنیا میں رسوا کر دیتا ہے، خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ پس ہماری تخلیق کے پہلے تین امتحانات کا مقصد ہماری تخلیق کے تین مقاصد پر عبور حاصل کرنا ہے۔ یہ دنیاوی امتحانات کی طرح ہیں، جہاں ہم اپنے آپ کو کسی خاص میدان میں سبقت حاصل کرنے کے لیے تیار کرتے ہیں۔ جس طرح ایک بامعنی دنیاوی امتحان ذہنی اور جسمانی دونوں ہو سکتے ہیں، اسی طرح ہماری تخلیق کے تین امتحان روحانی، ذہنی اور جسمانی ہیں۔ تیسرا مقصدِ حیات ہمارے مقصد تخلیق کا سب سے اہم حصہ ہے۔

ہماری تخلیق کا چوتھا مقصدِ حیات اور امتحان: عقل سے کام لینے اور اللہ کو پہچاننے اور اسے اپنا حقیقی محبوب بنانے کے بعد اس کی صفات کو حاصل کرنے اور دینی و دنیاوی امور میں مہارت حاصل کرنے کے بعد لوگوں کو حقیقی رب کی طرف بلانا ہماری تخلیق کا چوتھا مقصدِ حیات ہے۔ دین کی دعوت اس طرح دی جائے کہ ان کی آخرت کی کامیابی ہماری دلی خواہش ہو، اور اللہ کے دین کی دعوت اس طرح دیں کہ ہمارا کردار اور ہمارا اخلاق اسلام کی دعوت ہو۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور اس شخص سے زیادہ اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں(41:33)۔ اس میں مزید کہا گیا ہے: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں(61:2-3)۔ آج مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت اسلام پر عمل نہیں کرتی، پھر بھی وہ مذکورہ حکم کے خلاف کرتے ہوئے اُس بات کی تبلیغ کرتے ہیں جس پر وہ خود عمل نہیں کرتے۔ اسی لیے میں عموماً مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ قرآن کو عالم کی نگاہ سے نہ دیکھو بلکہ قرآن کی تعلیمات سے علمائے حق کو پہچانو۔ اسی طرح انسانیت سے کہتا ہوں اسلام کے بارے میں مسلمانوں کو دیکھ کر رائے قائم نہ کرو بلکہ قرآن کا مطالعہ کر کے رائے قائم کرو۔ اسی لیے قرآن تنبیہ کرتے ہوئے کہتا ہے: دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔ اب جو کوئی طاغوت کا اِنکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اُس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، اور اللہ (جس کا سہارا اس نے لیا ہے) سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے(2:256)۔ اچھا تو نصیحت کیے جاؤ! تم بس نصیحت ہی کرنے والے ہو، ان پر داروغہ نہیں ہو (کہ ان پر جبر کرو)(88:21-22)۔ یہاں میں سوال کرنا چاہوں گا: ملائشیا، انڈونیشیا میں کون سی مسلم فوجیں داخل

ہوئیں تھیں جنہوں نے انہیں مسلم اکثریتی ملک میں تبدیل کر دیا تھا۔ کوئی نہیں! انہوں نے وہاں آنے والے مسلمان تاجروں کے کردار سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ جنوب مشرقی چین سمیت دیگر مشرقی ممالک میں بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

نبیؐ کا ایک اہم قول ہے کہ مذہب وہ نہیں ہے جو مذہبی رسومات ادا کر کے کیا جاتا ہے بلکہ یہ ہے کہ اس کا دوسروں کے ساتھ سلوک کیسا ہے (تیسرا مقصدِ حیات)۔ لہٰذا کسی کا پرہیزگار ہونا کافی نہیں ہے بغیر ایسے اعمال کیے جن سے اس کے عقائد کا اظہار نہ ہو۔ ایک حدیث ہے کہ نبیؐ ایک دفعہ مسجد میں داخل ہوئے اور نماز میں ایک بزرگ کو دیکھا جس کی لمبی سفید داڑھی تھی۔ آپؐ کو بتایا گیا کہ یہ شخص سارا دن مسجد میں رہتا ہے، عبادت کرتا ہے اور اللہ کی باتیں دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ نبیؐ نے پوچھا کہ یہ اپنی روزی کیسے کماتا ہے۔ آپؐ کو بتایا گیا کہ ایک تاجر، جو زیادہ متقی نہیں، وہ اس کی کفالت کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ان دونوں میں سے سوداگر زیادہ متقی ہے۔ یہاں مجھے ایک واقعہ یاد آگیا: خلیفہ حضرت عمرؓ کے دور میں ایک غیر مسلم کے گھر میں چوری ہوئی، چور کا سراغ نہیں لگایا جا سکا۔ عمرؓ نے متعلقہ حکام کو بلایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اس غیر مسلم کو وہ تمام ٹیکس واپس کریں جو اس نے اب تک ادا کیے تھے، اور اس سے معذرت کریں کہ وہ اس کے خاندان اور اس کے مال کی حفاظت میں ناکام رہے۔ ایک دفعہ حضرت عمر نے ایک بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ وہ بھیک کیوں مانگ رہا ہے؟ اس نے آپؓ کو بتایا کہ وہ مزید کام نہیں کر سکتا لیکن اسے اپنا ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے متعلقہ حکام کو بلایا اور کہا کہ اس شخص نے ہمیشہ اپنا ٹیکس ادا کیا ہے، اب ریاست اس کی دیکھ بھال کی ذمہ دار ہے۔ آپؓ نے اس کے لیے ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ نبیؐ کے پڑوس میں ایک بوڑھی عورت رہتی تھی، وہ اپنے گھر کی چھت سے آپؐ پر کوڑا پھینکتی تھی۔ ایک دن گندگی نہیں پھینکی گئی تو، آپؐ نے اس کے بارے میں دریافت کیا۔ آپؐ کو بتایا گیا کہ وہ بیمار ہے۔ آپ اس کی عیادت کے لیے اس کے گھر گئے۔ اس پر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اللہ قرآن میں کہتا ہے: ہماری مخلوق میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق ہدایت اور حق کے مطابق انصاف کرتا ہے (181:7)۔ قرآن پھر مسلمانوں کو جھنجوڑ کر کہتا ہے: تم دوسروں کو تو نیکی کا راستہ اختیار کرنے کے لیے کہتے ہو، مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو۔ کیا تم عقل سے بالکل ہی کام نہیں لیتے (2:44)؟ موضوع کی مناسبت سے ایک نظم

کے کچھ اشعار یاد آئے ہیں۔ ہم خود اللہ کے احکام کی پیروی نہیں کرتے، لیکن لوگوں کو مسلمان بنانا چاہتے ہیں۔

دنیا کا جگانا یاد رہا — خود ہوش میں آنا بھول گئے
دنیا کی کہانی یاد رہی — اور اپنا فسانہ بھول گئے
جو درس شاہِ بطحا نے دیا — خود اس کو پڑھانا بھول گئے
دنیا کی کہانی یاد رہی — اور اپنا فسانہ بھول گئے

آخر میں چاروں مقاصد کا خلاصہ: نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یومِ آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔ اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں، اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں (2:177)۔

قرآن کی یہ ایک آیت تخلیق کے مقصد، امتحان اور دین اسلام کا نچوڑ ہے۔ اسے خاکے کی صورت میں ایسے دیکھایا جا سکتا ہے:

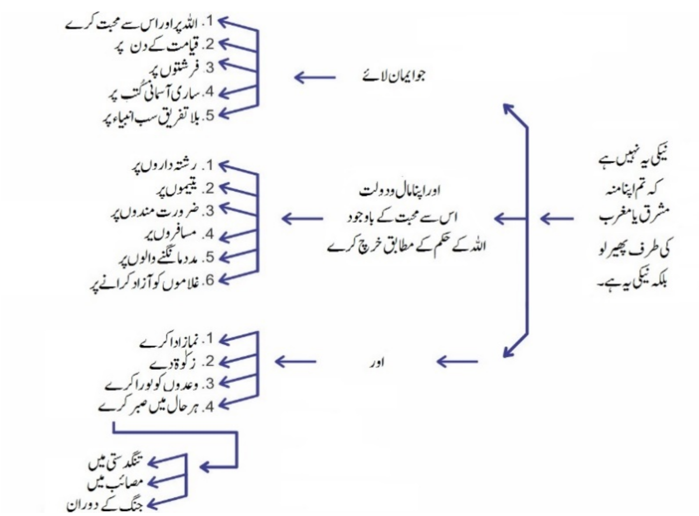

پورے مضمون کا خلاصہ اس طرح کیا جا سکتا ہے: ہر مسلمان زمین پر اللہ کی مرضی کا وصول کنندہ، محافظ اور عمل کرنے والا ہے اور وہ اس پر جوابدہ ہے۔ یعنی یہ اس کا فرض ہے کہ وہ حق کا دفاع کرے اور جو

باطل ہے اس کی مخالفت کرے۔ نبیؐ نے ایک مرتبہ فرمایا: "جب تم میں سے کوئی شخص برائی دیکھے تو اسے چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ سے روکے۔ اگر نہ روک سکے تو اپنی زبان سے روکے۔ اور اگر وہ بھی نہ کر سکے، تو دل سے برا سمجھے، یہ ایمان کا سب سے نچلا درجہ ہے۔ **ایمان کے مطابق زندگی گزارنا عبادت ہے، دوسرے لفظوں میں انسانیت کی خدمت کے ذریعے اللہ کو راضی کرنا۔** اللہ سبحانہ و تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے: تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ اس سے بے خبر نہ ہو گا (3:92)۔ یہاں میں یہ کہنا چاہوں گا کہ جیسے ایک نرم دل بادشاہ ہمیشہ نرم دل نائب کو پسند کرتا ہے۔ اسی لیے قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسانوں کو چاہیے کہ وہ اس کے رنگوں میں رنگ جائیں۔

اللہ کی رحمت کو حاصل کرنے کا ایک طریقہ اس سے استغفار کرنا اور اس سے توبہ کرنا ہے۔ اللہ قرآن میں ہمیں فرماتا ہے: اور یہ کہ تم اپنے ربّ سے معافی چاہو اور اس کی طرف پلٹ آؤ تو وہ ایک مدتِ خاص تک تم کو اچھا سامانِ زندگی دے گا اور ہر صاحبِ فضل کو اس کا فضل عطا کرے گا (یعنی اس کو جو محتاجوں اور مستحقوں کی مدد کرتا ہے، اپنے مال سے یا جسمانی قوت سے یا اچھے اخلاق سے)۔ لیکن اگر تم منہ پھیرتے ہو تو میں تمہارے حق میں ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں (11:3)۔ مشکل وقت کا بہترین علاج یہ ہے کہ صبر سے کام لیا جائے اور شکایت نہ کی جائے، بلکہ اللہ کو کثرت سے یاد کیا جائے۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ جب ہم اچھے وقت میں اللہ کو یاد کرتے ہیں تو وہ مشکل وقت میں ہمیں یاد رکھتا ہے۔ اسلام ہمیں دوسروں پر الزام لگائے بغیر اپنے اعمال اور اپنے حالات کی ذمہ داری لینے کا درس دیتا ہے۔ دوسروں پر الزام لگانا اکثر خود آگاہی اور اپنی اصلاح سے بچنے کا ایک بہانہ ہے۔ امام غزالیؒ کہتے ہیں جو غلطی کر نہیں سکتا وہ فرشتہ ہے، جو غلطی کر کے اس پر ڈٹ جائے وہ شیطان ہے، جو غلطی کر کے فوراً توبہ کر لے وہ انسان ہے اور جو توبہ کر کے اس پر قائم رہے وہ اللہ کا محبوب بندہ ہے۔ جو شخص اپنی عقل کو استعمال کرتے ہوئے چاروں امتحانوں میں کامیاب ہو اور ان صفات میں بھی مہارت حاصل کرے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ حاصل کرے، ایسا شخص اعلیٰ کردار کا حقیقی دانشور اور سچا مومن ہے۔ ایسے لوگ ہر مصیبت میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ یہ وہ جنتی ہیں جن سے اللہ محبت کرتا ہے۔

انسان عام طور پر پوچھتا ہے کہ اللہ ہمیں عذاب کیوں دینا چاہتا ہے؟ یہاں میں ایک دنیاوی دستور کا ذکر کرنا چاہوں گا جسے ہم سب مانتے ہیں، جب کوئی نائب اپنے دنیاوی آقا کی نافرمانی کرتا ہے یا اس سے غداری کرتا

ہے تو اسے سخت ترین سزا دی جاتی ہے۔ چونکہ انسان نے زمین پر اللہ کا نائب بننے کا انتخاب کیا، اس لیے وہ اپنی بداعمالیوں، نافرمانیوں اور اللہ سے بغاوت پر جوابدہ ہے (اللہ کے رنگوں میں رنگنے میں ناکامی)۔

اس کو واضح کرنے کے لیے میں محمد صلاح عبادین کا ایک واقعہ بیان کروں گا جو میں نے واٹس ایپ پیغام میں پڑھا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ جب وہ نیویارک میں رہ رہا تھا تو اسے ڈاک سے ایک خط ملا جس میں کہا گیا تھا کہ اس نے ٹریفک کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس نے فلاں سڑک پر، فلاں وقت، فلاں دن لال بتی کی خلاف ورزی کی تھی، اور پھر اس سے پوچھا گیا کہ کیا وہ اپنے جرم کا اعتراف کرنے کو تیار ہے یا اسے کوئی اعتراض ہے؟ اس نے کہا، چونکہ اسے یاد نہیں تھا کہ اس نے کسی لال بتی کی خلاف ورزی کی ہے یا نہیں، اور نہ ہی وہ ریاست کی سڑکوں کے صحیح طور پر نام جانتا تھا، اس لیے اس نے جواب دیا: "ہاں، مجھے اعتراض ہے، مجھے یقین نہیں کہ میں اس سڑک پر گیا ہوں، اور نہ ہی مجھے یقین ہے کہ میں نے سرخ بتی کی خلاف ورزی کی ہے۔" ایک ہفتے بعد، اسے ایک خط موصول ہوا جس میں اس کی گاڑی کی تین تصاویر تھیں۔ ایک تصویر گاڑی کی ٹریفک لائٹس کو کراس کرنے سے پہلے جب لائٹ سرخ ہو چکی تھی، دوسری تصویر جب گاڑی ٹریفک لائٹس کے درمیان میں تھی اور لائٹس سرخ تھیں، اور تیسری، جب گاڑی ٹریفک لائٹ کو ایک میٹر پار کر چکی تھی اور وہ تب بھی سرخ تھیں۔ اس لیے بنیادی طور پر، وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا اور اس کے پاس کوئی فرار کا راستہ نہیں بچا تھا، اور نہ ہی اس کے پاس کوئی بہانہ بچا تھا۔ تصاویر اس کے خلاف حتمی ثبوت تھے۔ اس نے ٹریفک کی خلاف ورزی کا اعتراف کیا اور 150$ کا جرمانہ ادا کیا۔

وہ کہتا ہے ایک دن ایسا ہوا کہ وہ "سورۃ الجاثیہ" پڑھ رہا تھا تو اس کا ان آیات سے گزر ہوا جن میں لکھا تھا: اُس وقت تم ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا دیکھو گے۔ ہر گروہ کو پکارا جائے گا کہ آئے اور اپنا نامہ اعمال دیکھے۔ اُن سے کہا جائے گا، "آج تم لوگوں کو اُن اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے تھے۔ یہ ہمارا تیار کرایا ہوا اعمال نامہ ہے جو تمہارے اوپر ٹھیک ٹھیک شہادت دے رہا ہے، جو کچھ بھی تم کرتے تھے اُسے ہم لکھواتے جا رہے تھے۔" پھر جو لوگ ایمان لائے تھے اور نیک عمل کرتے رہے تھے انہیں ان کا ربّ اپنی رحمت میں داخل کرے گا اور یہی صریح کامیابی ہے (45:28-30)۔ آیات کے اقتباس نے اسے فوری طور پر ٹریفک کی خلاف ورزی کا واقعہ یاد دلا دیا۔ انسانی ریکارڈ غلط، یا جھوٹا، یا بدلا جا سکتا ہے، جبکہ اللہ کا ریکارڈ جھوٹا نہیں ہو سکتا اور ہمیشہ سچ بولتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ خیال آتے ہی وہ چونکا، اس پر کپکپی طاری

ہو گئی اور بے ساختہ اللہ کے خوف سے وہ پکار اٹھا، اے ربّ، ہم تو انسان کے بنائے ہوئے کیمرے سے نہیں بچ سکتے اور نہ ہی بھاگ سکتے ہیں، تو ہم تیرے ریکارڈ کئے گئے اپنے اعمال کی ریکارڈنگ سے کیسے بچیں گے ؟ اے اللہ ! تجھ سے کوئی کیسے بچ سکتا ہے، تو تو آنکھوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے اور سینوں کی چھپی باتوں کو بھی جانتا ہے اور ہمارا ہر عمل کتابِ تقدیر میں لکھا ہوا ہے، اس میں کوئی بھول چوک کی گنجائش نہیں، اور یہ ایک محفوظ جگہ پر رکھی ہوئی ہے، جہاں سے اسے چوری یا تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اے اللہ ! تمام گناہ آڈیو، ویڈیو، اس کی تاریخ، اس کے حقائق، اس کے کردار، اس کا مقام، اس کا وقت، اس کے رنگ، اس کے مقاصد، اس کے حالات، اس کے پس منظر اس کے ارادے، اور دیگر تمام تفصیلات کے ساتھ ریکارڈ کیے جاتے ہیں یعنی وہ جانتا ہے اور ریکارڈ کر چکا ہے جو انسان کے بنائے ہوئے کیمرے ریکارڈ یا احاطہ نہیں کر سکتے ! یہ سب کچھ قیامت کے دن انسان کے سامنے پیش کر دیا جائے گا (کیونکہ اللہ العدل ہے)۔

قرآن کہتا ہے: اور نامۂ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اس وقت تم دیکھو گے کہ مجرم لوگ اپنی کتابِ زندگی کے اندراجات سے ڈر رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ "ہائے ہماری کم بختی ! یہ کیسی کتاب ہے کہ ہماری کوئی چھوٹی بڑی حرکت ایسی نہیں رہی جو اس میں درج نہ ہو گئی ہو۔" جو جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب اپنے سامنے حاضر پائیں گے اور تیرا ربّ کسی پر ذرا ظلم نہ کرے گا (18:49)۔ **اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے:** ہم نے صاف صاف آیات نازل کر دی ہیں۔ اور کافروں کے لیے ذِلّت کا عذاب ہے۔ اُس دن (یہ ذِلّت کا عذاب ہونا ہے) جب اللہ ان سب کو پھر سے زندہ کر کے اٹھائے گا اور انہیں بتا دے گا کہ وہ کیا کچھ کر کے آئے ہیں۔ وہ بُھول گئے ہیں مگر اللہ نے ان کا سب کیا دھرا گِن گِن کر محفوظ رکھا ہے اور اللہ ایک ایک چیز پر شاہد ہے۔ **مزید اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:** کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (58:5-7)۔ بلکہ انسان خود ہی اپنے آپ کو خوب جانتا ہے چاہے وہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے (75:14-15)۔ **اسی لیے:** اُس دِن کسی انسان اور کسی جِن سے اس کا گناہ پوچھنے کی ضرورت نہ ہو گی، (اس دن) تم دونوں گروہ اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ؟ مجرم وہاں اپنے چہروں سے پہچان لیے جائیں گے اور انہیں پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ لیا جائے گا۔ (تب) تم اپنے ربّ کی کس کس قدرت کو جُھٹلاؤ گے ؟ (اُس وقت ان کو یاد دلایا جائے گا) یہ وہی جہنّم ہے جس کو مجرمین جھوٹ قرار

دیا کرتے تھے۔ (پھر) اُسی جہنمّ اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان وہ گردش کرتے رہیں گے۔ (اب بتاؤ) اپنے ربّ کی کس کس قدرت کو جُھٹلاؤ گے (55:39-45)؟ ہائے وہاں تو ہمارے اعضاء، ہماری کھالیں بھی ہمارے خلاف گواہی دیں گے۔ اللہ ہم سب کو معاف فرمائے۔ آمین! اے اللہ تو اپنے اقراری بندوں کو پسند کرتا ہے، اے اللہ میں مانتا ہوں: تو میرا خالق ہے اور میں تیری مخلوق ہوں۔ تو میرا مالک ہے اور میں ہوں بندہ تیرا۔ تو ہے داتا اور میں حاجت مند تیرا۔ تو ہے بے نیاز، اور میں منگتا تیرا۔ تو بے عیب ہے اور میں سراپا عیب ہوں۔ تو مشکل کشاء ہے اور میں محتاج ہوں۔ تو القوی ہے اور میں بے بس ہوں۔ تو سخی ہے اور میں کنجوس ہوں۔ تو عادل ہے اور میں ظالم ہوں۔ تو سب سے رحیم ہے اور میں بے رحم ہوں۔ تو معاف کرے اور میں بغض رکھوں۔ تو عالم الغیب ہے اور میں جاہل ہوں۔ تو سراپا سلامتی ہے اور میں خطرہ ہوں۔ تو طاقتور ہے اور میں کمزور ہوں۔ مالک تیری تعریف کی انتہا نہیں اور میری پستی کی کوئی حد نہیں۔

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

اللہ قادرِ مطلق

اللہ کے قادر مطلق ہونے کا مطلب ہے کہ: وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس کا اپنی تخلیق پر مکمل کنٹرول ہے۔ اسے اپنے حکم کو نافذ کرنے کے لیے کسی کی مدد یا کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کوئی اس کے فیصلے پر اثر انداز نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اسے روک سکتا ہے۔ جو وہ کرتا ہے اس کے بارے میں کوئی اس سے سوال نہیں کر سکتا۔ وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ چونکہ دنیاوی امتحان ایمان بالغیب ہے (یعنی اللہ پر بن دیکھے ایمان لانا)۔ اس لیے قرآن اس کی صفات اور اس کے اختیارات کو بیان کرتا ہے۔ کوئی پوچھ سکتا ہے کہ قرآن میں اللہ کی قدرت اور اس کے اختیارات کا ذکر کیوں ہے؟ جواب بہت آسان ہے، ہم میں سے اکثر حکومت کے سربراہ، اس کے محکموں اور اس کے ملازمین کے اختیارات سے واقف ہیں۔ ہم اسے قبول کرتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں۔ لہٰذا خالق کو سمجھنے کے لیے اس کی صفات کا جاننا ضروری ہے، تاکہ ہم اس کی اطاعت کریں، اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں، اپنی نافرمانی پر اس سے ڈریں۔ جس طرح دنیاوی نظام میں ہمیں حکومتوں اور اس کے اداروں کے مقرر کردہ قوانین پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ اسی طرح تقویٰ اختیار کرنے کے لیے اللہ کی صفات کا جاننا بہت ضروری ہے۔ قرآن میں اللہ کی ننانوے سے زیادہ صفات کا ذکر

ہے۔ میں یہاں ان پر بحث نہیں کروں گا۔ میں نے اپنی کتاب "ایمان اور اسلام کیا ہے" میں ان پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ یہاں میں قرآن کی صرف چند آیات پر بات کروں گا جو اس کے کچھ اختیارات کی وضاحت کرتی ہیں۔ میں ان صفات پر کتاب کے اگلے باب میں بحث کروں گا۔

قرآن ہمیں بتاتا ہے: اُس کی نشانیوں میں سے ہے یہ زمین اور آسمانوں کی پیدائش، اور یہ جاندار مخلوقات جو اُس نے دونوں جگہ پھیلا رکھی ہیں۔ وہ جب چاہے انہیں اکٹھا کر سکتا ہے۔ لوگوں پر جو مصیبت بھی آئی ہے، تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آئی ہے، اور بہت سے قصوروں سے وہ ویسے ہی در گزر کر جاتا ہے۔ تم زمین میں اللہ کو عاجز کر دینے والے نہیں ہو، اور اس کے مقابلے میں تم کوئی حامی و ناصر نہیں رکھتے(42:29-31)۔ وہ آسمانوں اور زمین کا موجِد ہے، اور جس بات کا وہ فیصلہ کرتا ہے، اس کے لیے بس یہ حکم دیتا ہے کہ "ہو جا" اور وہ ہو جاتی ہے (2:117)۔ کہو، اے اللہ، ملک کے مالک، تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ جسے چاہے، عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے (3:26)۔ **ہمارے حکمران جیسے کہتے ہیں ہم اسے قبول کر لیتے ہیں، اور جب ہر چیز کا خالق کہتا ہے تو اسے ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔** اگر اللہ کی مشیت یہ ہوتی (کہ تم میں کوئی اختلاف نہ ہو) تو وہ تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، مگر وہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈالتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہِ راست دکھا دیتا ہے، **اور ضرور تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس ہو کر رہے گی**(16:93)۔ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کرتا ہے، یقیناً اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے(29:62)۔ اللہ جس کو چاہتا ہے رزق کی فراخی بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا رزق دیتا ہے۔ **یہ لوگ دنیوی زندگی میں مگن ہیں، حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک متاعِ قلیل کے سوا کچھ بھی نہیں**(13:26)۔ یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر اُن لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں، اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر اُن لوگوں کو جو بڑے نصیبے والے ہیں۔ اور اگر تم شیطان کی طرف سے کوئی اُکساہٹ محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگ لو، وہ سب سنتا اور جانتا ہے۔ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں یہ رات اور دن اور سورج اور چاند۔ سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اُس خدا کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے اگر فی الواقع تم اُسی کی عبادت کرنے والے ہو(41:35-37)۔ وہ رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان ساری چیزوں کا جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں، پس تم اس کی بندگی کرو اور اسی کی بندگی پر ثابت قدم رہو۔ کیا ہے کوئی ہستی تمہارے علم میں اس کی ہم پایہ(19:65)؟ وہ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے(3:27)۔ اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں، اور وہ تمہیں چھوڑ دے، تو

اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہو؟ پس جو سچے مومن ہیں ان کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے (3:160)۔ اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے(3:37)۔ گھٹانا بھی اللہ کے اختیار میں ہے اور بڑھانا بھی(2:245)۔ یقیناتیرا ربّ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے(17:30)۔ اے نبیؐ، ان سے کہو، "میرا ربّ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے۔ جو کچھ تم خرچ کر دیتے ہو اُس کی جگہ وہی تم کو اور دیتا ہے، وہ سب رازقوں سے بہتر رازق ہے" (34:39)۔ جس کو اللہ رہنمائی سے محروم کر دے اُس کے لیے پھر کوئی رہنما نہیں ہے، اور اللہ اِنہیں اِن کی سرکشی ہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتا ہے(7:186)۔ جسے چاہے، عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے(3:26)۔

یہ حدیث قدسی اللہ قادر مطلق کی شان کو بیان کرتی ہے: نبیؐ اللہ سے یہ روایت کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

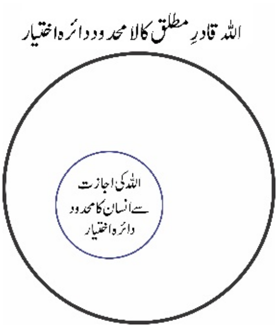

اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کیا ہے اور میں نے تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام کر دیا ہے، لہٰذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا۔ اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو، سوائے اس کے جسے میں ہدایت دوں، سو تم مجھ سے ہدایت طلب کرو، میں تمہیں ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو سوائے اس کے جسے میں کھانا کھلاؤں، پس تم مجھ سے کھانا طلب کرو، میں تمہیں کھلاؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بے لباس ہو سوائے اس کے جسے میں لباس پہناؤں، لہٰذا تم مجھ سے لباس مانگو میں تمہیں لباس پہناؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب دن رات گناہ کرتے ہو اور میں تمام گناہوں کو معاف کرتا ہوں، تم مجھ سے معافی مانگو، میں تمہیں معاف کر دوں گا۔ اے میرے بندو! تم کسی نقصان کے مالک نہیں کہ مجھے نقصان پہنچا سکو اور تم کسی فائدے کے مالک نہیں کہ مجھے فائدہ پہنچا سکو۔ اے میرے بندو! اگر اول تا آخر، تمام انسان اور جن تم میں سے سب سے متقی شخص کی طرح بن جائیں تو اس سے میری بادشاہی میں کسی قسم کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا، اور اے میرے بندو! اگر اول تا آخر، تمام انسان اور جن تم میں سے سب سے بدکار شخص کی طرح ہو جائیں تو میری بادشاہت میں کوئی کمی نہیں ہوتی، اور اے میرے بندو! اگر اول تا آخر، تمام انسان اور جن کسی ایک جگہ کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر انسان کا سوال پورا کر دوں تو میرے خزانوں میں اتنی کمی بھی نہیں ہوتی جتنی سوئی کو سمندر میں ڈال کر نکالنے سے اس میں ہوتی ہے۔ اے میرے بندو! یہ

تمہارے اعمال ہیں جو میں تمہارے لیے جمع کرتا ہوں، پھر میں تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا، لہٰذا جو کوئی بھلائی پائے تو وہ اللہ کی حمد و ثنا کرے، اور اگر تمہیں بھلائی کے علاوہ کوئی چیز پہنچے تو کسی کو ملامت نہ کرو، سوائے اپنے آپ کو (ترمذی وابن ماجہ)۔ اسی طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور کیا ہو جاتا اگر کوئی ایسا قرآن اتار دیا جاتا جس کے زور سے پہاڑ چلنے لگتے، یا زمین شق ہو جاتی، یا مردے قبروں سے نکل کر بولنے لگتے؟ (اس طرح کی نشانیاں دکھا دینا کچھ مشکل نہیں ہے) بلکہ سارا اختیار ہی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ پھر کیا اہل ایمان (ابھی تک کفار کی طلب کے جواب میں کسی نشانی کے ظہور کی آس لگائے بیٹھے ہیں اور وہ یہ جان کر) مایوس نہیں ہو گئے کہ اگر اللہ چاہتا تو سارے انسانوں کو ہدایت دے دیتا؟ جن لوگوں نے خدا کے ساتھ کفر کا رویہ اختیار کر رکھا ہے اُن پر اُن کے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی آفت آتی ہی رہتی ہے، یا ان کے گھر کے قریب کہیں نازل ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ چلتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آن پورا ہو۔ یقیناً اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا (13:31)۔ اوپر جو کچھ بھی کہا گیا ہے، میں اسے ایک ادنیٰ سی مثال سے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ کسی کمپنی کے سی ای او کے پاس کسی کو رکھنے یا فارغ کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ کیا وہ بلا وجہ ایسا کرتا ہے؟ نہیں! کیونکہ پورا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے آیئے اگلے باب کی طرف چلتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ پر الزام تراشی بند کرو

میں ایک ایک چیز کو لے کر چلوں گا اور پھر اس کے بارے میں سوال کروں گا۔ **میرا پہلا موضوع کمرہ امتحان ہے:** اگر ہم دنیاوی کمرہ امتحان کا مشاہدہ کریں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ نگران جب کسی کو غلط جواب دیتے ہوئے دیکھتا ہے تو نہ تو اسے درست کرواتا ہے اور نہ ہی اسے صحیح جواب سے ہٹاتا ہے۔ کیوں! اس لیے کہ یہ ایک برا عمل ہے (امتحان بے معنی ہو جائے گا)۔ جو ربّ تمام عیبوں سے پاک ہے اس سے ہم کیسے توقع کر سکتے ہیں کہ وہ ایسا کرے گا۔ صحیح راستے سے ہٹنے کی آزادی کے بغیر، امتحان بے معنی ہو گا۔ اسی لیے قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر تمہارا ربّ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا، لیکن اس نے یہ اس لیے کیا کہ جو کچھ اُس نے تم لوگوں کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے لہٰذا بھلائیوں میں ایک دوسرے

سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ آخر کار تم سب کو اللہ کی طرف پلٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں اصل حقیقت بتادے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو(5:48)۔ قرآن ہمیں یہ بھی بتاتا ہے: ابتدا میں سارے انسان ایک ہی امّت تھے، بعد میں انہوں نے مختلف عقیدے اور مسلک بنا لیے (اندھی تقلید کی وجہ سے) ،اور اگر تیرے ربّ کی طرف سے پہلے ہی ایک بات طے نہ کر لی گئی ہوتی (آزاد مرضی) تو جس چیز میں وہ باہم اختلاف کر رہے ہیں اس کا فیصلہ کر دیا جاتا(10:19)۔ لہٰذا اللہ کو موردِ الزام ٹھہرانا بند کرو۔

میرا دوسرا موضوع امتحان ہے: جب ہم کوئی امتحان دیتے ہیں، کیا ہم نے بغیر پڑھے کہا کہ اللہ نے چاہا تو پاس ہو جاؤں گا؟ کبھی نہیں! لیکن جب نتیجہ ہماری مرضی کے برخلاف آتا ہے تو کہتے ہیں اللہ کو منظور نہیں تھا۔ کیا اللہ چاہتا تھا کہ ہم فیل ہوں؟ نہیں! اس کے برعکس وہ چاہتا ہے کہ ہم اپنی عقل کو علم حاصل کرنے کے لیے استعمال کریں۔ اسی لیے وہ پوچھتا ہے: اے انسان! کس چیز نے تجھے اپنے اس ربِّ کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا۔ جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تیرے نوک پلک، سنوارے تجھے متناسب بنایا، اور جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ کر تیار کیا؟ ہرگز نہیں! بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) تم لوگ جزا و سزا کو جھٹلاتے ہو، حالانکہ تم پر نگران فرشتے مقرر ہیں ایسے معزز کاتب فرشتے جو تمہارے ہر فعل کو جانتے ہیں(82:6-12)۔ جب کوئی شخص کسی چیز کے لیے کوشش کرتا ہے اور اسے حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے، اگر وہ شخص ثابت قدم رہے اور اللہ پر بھروسہ رکھے تو ایسا شخص صبر کرتا ہے اور اپنے مقصد کے حصول تک کوشش کرتا رہتا ہے۔ دوسری طرف، مایوس ہونے والا بے صبرا، اداس اور بدمزاج بن جاتا ہے۔ ایسا شخص اللہ کو اپنے اعمال کے نتائج کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہؐ نے ہمیں مایوس ہونے سے منع فرمایا، بلکہ صبر کرنے اور اللہ سے امید رکھنے کی تلقین کی۔ چنانچہ فرمایا: "اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو یہ نہ کہو کہ کاش میں نے ایسا کیا ہوتا، بلکہ یہ کہو: اللہ نے فیصلہ کیا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔" رسولؐ نے ہمیں سکھایا کہ یہ ہمیں فائدہ دے گا، چاہے ہمیں وہ ملے یا نہ ملے (پرسکون رہے گا)(شفاء العلیل، 37-38)۔

میرا تیسرا موضوع ہدایت ہے: آیئے مطالعہ کریں کہ قرآن اس بارے میں کیا کہتا ہے۔ اللہ قرآن میں فرماتا ہے: اب کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اپنے ربّ کی طرف سے ایک روشنی پر چل رہا ہے۔ (اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس نے ان باتوں سے کوئی سبق نہ لیا؟) تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ کی نصیحت سے اور زیادہ سخت ہو گئے۔ وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے

ہیں۔ اللہ نے بہترین کلام اُتارا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزاء ہم رنگ ہیں اور جس میں بار بار مضامین دُہرائے گئے ہیں۔ اُسے سُن کر اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے ربّ سے ڈرنے والے ہیں، اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذِکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس سے، وہ جسے چاہتا ہے راہِ راست پر لے آتا ہے **(یعنی اس پر غور کرنے والے کو)۔** اور جسے اللہ ہی ہدایت نہ دے اس کے لیے پھر کوئی ہادی نہیں ہے **(وہ جو متعصب ہے اور اپنے عقائد میں جکڑا ہوا ہے)**(39:22-23)۔ ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا، اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ "اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔" اس کے بعد ان میں سے کسی کو اللہ نے ہدایت بخشی اور کسی پر ضلالت مسلط ہو گئی۔ پھر ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہو چکا ہے۔ اے نبیؐ! تم چاہے ان کی ہدایت کے لیے کتنے ہی حریص ہو، مگر اللہ جس کو بھٹکا دیتا ہے پھر اسے ہدایت نہیں دیا کرتا **(وہ جو غور و فکر سے عاری ہیں)**، اور اس طرح کے لوگوں کی مدد کوئی نہیں کر سکتا **(ہٹ دھرمی کی وجہ سے)۔** اگر اللہ کی مشیت یہ ہوتی (کہ تم میں کوئی اختلاف نہ ہو) تو وہ تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، مگر وہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈالتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہِ راست دکھا دیتا ہے، اور ضرور تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس ہو کر رہے گی(16:36-37,93)۔ ہم نے اپنا پیغام دینے کے لیے جب کبھی کوئی رسول بھیجا ہے، اس نے اپنی قوم ہی کی زبان میں پیغام دیا ہے تاکہ وہ انہیں اچھی طرح کھول کر بات سمجھائے۔ **(اور پیغام کی وضاحت کے بعد)** پھر اللہ جسے چاہتا ہے بھٹکا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے، وہ بالادست اور حکیم ہے(14:4)۔ **کیوں؟ کیونکہ!** حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں پر تیرے ربّ کا قول راست آ گیا ہے ان کے سامنے خواہ کوئی نشانی آ جائے وہ کبھی ایمان لا کر نہیں دیتے جب تک کہ دردناک عذاب سامنے آتا نہ دیکھ لیں(10:96-97)۔ **پس یہ نہیں کہ اللہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے بلکہ یہ کہ جب لوگ گمراہی میں پڑ جاتے ہیں تو اللہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے! ان کا گمراہ ہونا اللہ کی مرضی نہیں تھی، اس کی وجہ جو انہوں نے اپنے لیے چاہا وہ کمایا۔ اللہ نے تو انہیں حق کے رستے پر چلنے کی ہدایت کی تھی، لیکن انہوں نے دوسرا رستہ اختیار کیا۔ اس کی مثال دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:** رہے ثمود، تو ان کے سامنے ہم نے راہِ راست پیش کی مگر انہوں نے راستہ دیکھنے کے بجائے اندھا بنا رہنا ہی پسند کیا۔ آخر اُن کے کرتوتوں کی بدولت ذلت کا عذاب اُن پر ٹوٹ پڑا اور ہم نے اُن لوگوں کو بچا لیا جو ایمان لائے تھے اور گمراہی و بد عملی سے پرہیز کرتے تھے(41:17-18)۔ یہ بات تیرا ربّ ہی زیادہ جانتا ہے کہ اُس کے راستے

سے کون بھٹک گیا ہے اور کون سیدھے راستے پر ہے(53:30)۔ **بعض لوگ سوال کر سکتے ہیں کہ اللہ کیوں اکثر کو گمراہ کرتا ہے؟اگلی آیت اس کا جواب دیتی ہے:** اے نبیؐ! تم جسے چاہو اسے ہدایت نہیں دے سکتے، مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور **وہ اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں** (28:56)۔ اور اے نبیؐ، ان کے سامنے اُس شخص کا حال بیان کرو جس کو ہم نے اپنی آیات کا علم عطا کیا تھا مگر وہ ان کی پابندی سے نکل بھاگا۔ آخر کار شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا یہاں تک کہ وہ بھٹکنے والوں میں شامل ہو کر رہا(7:175)۔ (بھلا کچھ ٹھکانا ہے اس شخص کی گمراہی کا) جس کے لیے اس کا بُرا عمل خوشنما بنا دیا گیا ہو (**شیطان خوشنما بناتا ہے**) اور وہ اُسے اچھا سمجھ رہا ہو؟ حقیقت یہ ہے، کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہِ راست دکھا دیتا ہے۔ پس (اے نبیؐ) خواہ مخواہ تمہاری جان اِن لوگوں کی خاطر غم و افسوس میں نہ گُھلے۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے(35:8)۔ اگر تم کفر کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے۔ لیکن وہ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتا، اور اگر تم شکر کرو تو اسے وہ تمہارے لیے پسند کرتا ہے۔ کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گا۔ آخر کار تم سب کو اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے، پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو، وہ تو دلوں کا حال تک جانتا ہے (39:7)۔ اگر ہم چاہتے تو اُسے اُن آیتوں کے ذریعہ سے بلندی عطا کرتے، مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا اور اپنی خواہشِ نفس ہی کے پیچھے پڑا رہا لہٰذا اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ تم اس پر حملہ کرو تب بھی زبان لٹکائے رہے اور اُسے چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکائے رہے۔ یہی مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں۔ تم یہ حکایات ان کو سناتے رہو، شاید کہ یہ کچھ غور و فکر کریں۔ بڑی ہی بُری مثال ہے ایسے لوگوں کی جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، اور وہ آپ اپنے ہی اوپر ظلم کرتے رہے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت بخشے بس وہی راہِ راست پاتا ہے اور جس کو اللہ اپنی رہنمائی سے محروم کر دے وہی ناکام و نامراد ہو کر رہتا ہے (7:176-178)۔ جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے اور یقیناً اللہ نیکو کاروں ہی کے ساتھ ہے(29:69)۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا، لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں(10:44)۔ (اے نبیؐ) اُس شخص کو کون بچا سکتا ہے جس پر عذاب کا فیصلہ چسپاں ہو چکا ہو! کیا تم اسے بچا سکتے ہو جو آگ میں گر چکا ہو(39:19)؟ **پھر اللہ کہتا ہے:** ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان ذریعہ بنا دیا ہے، پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا(54:17)؟ **اسی لیے قیامت کے دن:** جس روز ان کے چہرے آگ پر الٹ پلٹ کیے جائیں گے اُس وقت وہ کہیں گے

کہ **"کاش ہم نے اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کی ہوتی۔" اور کہیں گے "اے ہمارے رب، ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی اور انہوں نے ہمیں راہِ راست سے بے راہ کر دیا۔ اے ربّ! ان کو دوہرا عذاب دے اور ان پر سخت لعنت کر"** (33:66-68)۔ **یومِ جزا جب:** یہ لوگ اکٹھے اللہ کے سامنے بے نقاب ہوں گے تو اس وقت ان میں سے جو دنیا میں کمزور تھے وہ ان لوگوں سے جو بڑے بنے ہوئے تھے، کہیں گے "دنیا میں ہم تمہارے تابع تھے، اب کیا تم اللہ کے عذاب سے ہم کو بچانے کے لیے بھی کچھ کر سکتے ہو"؟ وہ جواب دیں گے "اگر اللہ نے ہمیں نجات کی کوئی راہ دکھائی ہوتی تو ہم ضرور تمہیں دکھا دیتے اب تو یکساں ہے، خواہ ہم جزع فزع کریں، یا صبر، بہر حال ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔" اور جب فیصلہ چکا دیا جائے گا تو شیطان کہے گا، "حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جو وعدے تم سے کیے تھے وہ سب سچے تھے اور میں نے جتنے وعدے کیے ان میں سے کوئی بھی پورا نہ کیا۔ میرا تم پر کوئی زور تو تھا نہیں، میں نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ اپنے راستے کی طرف تم کو دعوت دی اور تم نے میری دعوت پر لبیک کہا۔ اب مجھے ملامت نہ کرو، اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔ یہاں نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری۔ اس سے پہلے جو تم نے مجھے خدائی میں شریک بنا رکھا تھا میں اس سے بری الذمہ ہوں، ایسے ظالموں کے لیے تو دردناک سزا یقینی ہے" (14:21-22)۔ **پھر ذرا خیال کرو اس وقت کا** جب یہ لوگ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہوں گے۔ دنیا میں جو لوگ کمزور تھے وہ بڑے بننے والوں سے کہیں گے کہ "ہم تمہارے تابع تھے، اب کیا یہاں تم نارِ جہنمّ کی تکلیف کے کچھ حصے سے ہم کو بچا لو گے۔" وہ بڑے بننے والے جواب دیں گے "ہم سب یہاں ایک حال میں ہیں اور اللہ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے پھر یہ دوزخ میں پڑے ہوئے لوگ جہنم کے اہل کاروں سے کہیں گے "اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمارے عذاب میں بس ایک دن کی تخفیف کر دے۔" وہ پوچھیں گے "کیا تمہارے پاس تمہارے رسول بینات لے کر نہیں آتے رہے تھے" وہ کہیں گے "ہاں" جہنم کے اہلِ کار بولیں گے "پھر "تو تم ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا اکارت ہی جانے والی ہے (40:47-50)۔ ہم اس رحیم ربّ کے بارے میں بدگمانی کیسے کر سکتے ہیں جو ہمیں ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے۔ میں اس کی محبت کو چار قرآنی واقعات سے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ سورۃ یٰسین میں قرآن بتاتا ہے کہ عالم الغیب رحیم ربّ نے کسی بستی میں ایک شخص کو بچانے کے لیے تین نبی بھیجے، جب وہ شخص ایمان لے آیا تب اس بستی کو تباہ کیا۔ کیا ایسا رحیم ربّ لوگوں کو گمراہ کرے گا؟ یہ ہم سوچ بھی کیسے سکتے ہیں۔ قرآن بتاتا ہے کہ اللہ نے نوحؑ سے نو سو پچاس سال تبلیغ

کروائی اور جب آخری بندہ ایمان لے آیا تب نوحؑ کو کہا اب کوئی اور ایمان نہیں لائے گا، لہٰذا کشتی تیار کرو، بالآخر باقی ڈبو دیے گئے۔ اسی طرح سورت الکہف میں اللہ حضرت خضر کے ذریعہ ایک بچے کو قتل کرواتا ہے۔ کیوں؟ کیونکہ اس کے ماں باپ مومن تھے اور وہ جوان ہو کر ان کو گمراہ کرتا۔ کیا ہم کبھی تصور کر سکتے ہیں اتنا مہربان ربّ کسی کو گمراہ کرے گا؟ کبھی نہیں! سورۃ البروج اس واقعے کو بیان کرتی ہے جہاں سچے مومنین (یمن میں عیسائی قبیلہ) جنہوں نے اپنا عقیدہ بدلنے سے انکار کیا تھا، ان کو آگ کے گڑھوں میں جلا کر ہلاک کر دیا گیا، جب کہ مجرم قوم عورتوں، بچوں اور مردوں کی چیخ و پکار سے لطف اندوز ہوتے رہی۔ اللہ تعالیٰ نے واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں پر ستم توڑا ہے اور پھر اس سے تائب نہیں ہوئے، (یعنی ظلم و ستم کرنے والے، اگر ایمان لائیں گے تو انہیں معاف کر دیا جائے گا، ورنہ) یقیناً اِن کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور جلائے جانے کی سزا ہے (85:4-10)۔ اللہ تعالیٰ نے پھر بھی ان پر توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا۔ کیا ایسا مہربان ربّ کبھی کسی کو گمراہ کر سکتا ہے؟ کبھی نہیں! انسانی نظام میں ایسا سوچا جا سکتا ہے، کیونکہ تخت چھن جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ انسان، گروہ بندیوں میں حکمرانی کرتا ہے، گروہ جتنا مضبوط ہو گا ہے ان کا اختیار اتنا زیادہ ہو گا۔ چونکہ سب انسان ہیں، وفاداری بدلنے سے توازن بگڑ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے روکنے کے لیے اکثر اوقات انسان زیادتی کرتا ہے۔ جبکہ اللہ قادر مطلق ہے، ہر چیز اس کے تابع ہے، اس کا کوئی ہمسر یا حریف نہیں۔ تو کیا اسے ایسا کرنے کی ضرورت ہے؟ بالکل نہیں! اسی لیے اللہ کہتا ہے: اگر اللہ اپنے سب بندوں کو کھلا رزق دے دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کا طوفان برپا کر دیتے، مگر وہ ایک حساب سے جتنا چاہتا ہے نازل کرتا ہے، یقینا! وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور اُن پر نگاہ رکھتا ہے (42:27)۔ قرآن میں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ انسان کو اپنے لامحدود خزانے دے دیتا تو اس کے ختم ہونے کے خوف سے وہ اسے اپنے پاس روک لیتے۔

مزید یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اپنے کیے کے ہم خو ذمہ دار ہیں، اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے: (اسی طرح) کھجور کے درختوں اور انگور کی بیلوں سے بھی ہم ایک چیز تمہیں پلاتے ہیں جسے تم نشہ آور بھی بنا لیتے ہو اور پاک رزق بھی۔ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے عقل سے کام لینے والوں کے لیے (کیا اللہ چاہتا ہے کہ وہ شراب پیدا کرے، نہیں، اسلام میں شراب حرام ہے) (16:67)۔ اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے کہ ان سے

کہو: یہ لوگ جنہوں نے (رسالتِ محمدیؐ کو ماننے سے) انکار کر دیا ہے، کہتے ہیں "اس شخص پر اس کے ربّ کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتری؟"۔ کہو، اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے (13:27)۔ خبردار، دین خالص اللہ کا حق ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے اُس کے سوا دوسرے سرپرست بنا رکھے ہیں (اور اپنے اس فعل کی توجیہہ یہ کرتے ہیں کہ) ہم تو اُن کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں اللہ یقیناً اُن کے درمیان اُن تمام باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ **اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور منکر حق ہو** (39:3)۔ آخر میں، اللہ نے انسانیت کی رہنمائی کے لیے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار رسول اور انبیاء بھیجے، اگر اللہ ان کو گمراہ کرنا چاہتا تھا تو اتنے انبیاء کیوں بھیجے، رہنمائی کے لیے اتنی الہامی کتابیں کیوں بھیجیں؟ لہٰذا، اپنی غلطیوں کے لیے اللہ کو موردِ الزام ٹھہرانا چھوڑ دیں۔

میرا چوتھا موضوع صحت اور حفظان صحت ہے: اللہ الشافی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا قول جو قرآن مجید میں منقول ہے، اس میں آپؑ نے فرمایا ہے: "اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی (اللہ) مجھے شفا دیتا ہے" (26:80)۔ آپؑ نے یہ نہیں کہا کہ وہی مجھے بیمار کرتا ہے اور وہی مجھے شفا دیتا ہے۔ کیوں؟ ہم بیمار اپنی یا انسانوں کی غلطیوں، یا ماحول کی خرابی، یا دنیاوی نظام کے حالات کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب کوئی سگریٹ پیتا ہے جس سے اس کے پھیپھڑوں کو نقصان پہنچتا ہے یا اس کے دل کی شریانیں بند ہو جاتی ہیں۔ کیا اللہ نے چاہا تھا؟ نہیں! اسلام میں سگریٹ نوشی حرام ہے۔ یاد رکھیں کہ ہر خیر اللہ کی طرف سے ہے اور ہر برائی انسان کے اپنے ہاتھ کی کمائی یا نظام کی پیداوار ہے۔ فرض کریں کہ میں ایک کوڑھی کو گلے لگاتا ہوں اور میں بھی کوڑھ سے متاثر ہو جاتا ہوں۔ کیا اللہ نے چاہا تھا؟ نہیں! نبیؐ نے ہمیں کہا ہے کہ کوڑھی سے اس طرح دور بھاگو جیسے شیر کو دیکھ کر بھاگتے ہو۔ لہٰذا جو کچھ ہم کرتے ہیں اس پر اللہ کو موردِ الزام ٹھہرانا بند کریں۔

ہماری صحت کا انحصار ہمارے مدافعتی نظام پر ہے جس کا براہ راست تعلق ہمارے نظام انہضام سے ہے۔ لہٰذا پہلے غذا کے بارے میں بات کرتے ہیں: نبیؐ نے صحابہؓ کی تربیت اس طرح کی تھی کہ وہ بھوک رکھ کر کھانا کھاتے تھے۔ ایک بار ایک حکیم مدینہ آیا تو لوگوں نے اسے کہا کہ وہ یہاں بھوکا رہے گا۔ شروع میں اس نے سوچا کہ وہ اسے بھگانا چاہتے ہیں۔ چند ماہ کے بعد اس نے مکینوں سے پوچھا کہ تمہارے بیمار نہ ہونے

کا راز کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا، ہم اپنی بھوک سے کم کھاتے ہیں۔ اسی طرح ایک دفعہ نبیؐ کو سالن پیش کیا گیا جس پر گھی تیر رہا تھا۔ آپؐ نے کہا: یہ دو سالن ہیں میں صرف ایک کھاؤں گا۔ لہٰذا آپؐ نے گھی کو الگ کیا اور سالن سے روٹی کھائی۔ آج سائنس بتاتی ہے کہ انسانی جسم سادہ اور کم خوراک پر بہتر کام کرتا ہے۔ اب اگر ہم ضرورت سے زیادہ کھاتے ہیں اور اپنا نظام ہضم کو خراب کر کے بیمار پڑ جاتے ہیں، تو کیا یہ اللہ نے چاہا تھا؟ نہیں! وہ تو چاہتا ہے کہ ہم صحت مند رہیں، اسی لیے اس نے ہمیں کہا کہ کم کھائیں اور کھانا ضائع نہ کریں۔ ضرورت سے زیادہ کھانے کے تین نقصانات ہیں جن کا حساب ہم سے آخرت میں لیا جائے گا۔ 1) امیروں کے زیادہ کھانے اور ضائع کرنے سے اشیائے خوردونوش کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں جس سے غریبوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ 2) جو پیسہ مساکین کی بہتری کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا وہ اپنے اوپر خرچ کر دیا۔ 3) جب کوئی زیادہ کھانے کی وجہ سے بیمار ہو جاتا ہے تو وہ مزید اپنی دولت اپنے علاج پر خرچ کرتا ہے۔

آج کل ہم رمضان کو روزوں کا مہینہ نہیں بلکہ دعوتوں کا مہینہ سمجھتے ہیں۔ عام دنوں میں ہم دن میں تین وقت کا کھانا کھاتے ہیں اور رمضان میں ہم پانچ وقت کا کھانا کھاتے ہیں۔ سحری میں ہم ناشتہ اور دوپہر کا کھانا ایک ساتھ کھاتے ہیں، افطار میں دوپہر کا اور رات کا کھانا ملا کر کھاتے ہیں اور پھر ساری رات کھاتے ہیں۔ رمضان میں افطار پارٹیوں کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں شادی کی تقریب سے زیادہ کھانا کھایا اور ضائع کیا جاتا ہے۔ رمضان المبارک میں ہمارا وزن کم ہونے کے بجائے بڑھ جاتا ہے اور ہم صحت مند ہونے کے بجائے بیمار ہو جاتے ہیں۔ کیا اللہ یہ چاہتا تھا؟ نہیں! اوپر سے سونے پر سہاگہ زیادہ کھانے اور ضائع کرنے کی وجہ سے کھانے پینے کی چیزیں مہنگی ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا اپنے کئے پر اللہ کو موردالزام نہ ٹھہراؤ۔ اللہ جو حکم دیتا ہے وہ ہمیشہ ہماری بھلائی کے لیے ہوتا ہے۔ ایک گوری عورت، جس کا نام مجھے یاد نہیں، وہ پیر اور جمعرات کو روزہ رکھتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ میں مسلمان نہیں ہوں لیکن یہ دن روزہ رکھنے کے لیے ہفتے کے بہترین دن ہیں۔ رمضان المبارک میں زیادہ کھانے کے دو اضافی نقصانات ہیں جن کے لیے ہم آخرت میں جوابدہ ہوں گے، جو قیمتوں میں اضافے کی وجہ سے لوگوں کے لیے مشکلات پیدا کرنے کے علاوہ ہیں: 1) رمضان المبارک میں اللہ کی رضا کے لیے ہمیں کھانے پر کم اور زکوٰۃ و صدقات پر زیادہ خرچ کرنا تھا، غریبوں کے دکھ میں شریک ہونا تھا، جو ہم نے نہیں کیا۔ 2) رمضان میں ہم صرف

دکھاوے کے لیے کھانے پر بہت زیادہ خرچ کرتے ہیں جو کہ گناہ ہے۔ ایسے لوگ مقصدِ حیات کے چاروں امتحانوں میں فیل ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اللہ کو نہیں پہچانااور اپنے آپ کو اس کے رنگوں میں نہیں رنگااور اچھے برے کی تمیز کے لیے اپنی عقل سے کام نہیں لیا، ایسے لوگ کس بات کی تبلیغ یا دعوت دیں گے ؟

اللہ نے رمضان المبارک کے پورے مہینے کے روزے فرض کیے ہیں، کیونکہ یہ ہمیں صحت مند رہنے میں مدد دیتا ہے۔ ایک جاپانی سیل بائیولوجسٹ یوشینوری اوہسومی کے مطابق جنہوں نے 2016 میں طب کا نوبل انعام جیتا تھا اپنی اس تحقیق کے لیے کہ خلیے کس طرح اپنے مواد کو آٹوفجی نامی عمل کے ذریعے ری سائیکل کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ "روزہ" آٹوفجی کو متحرک کرتا ہے، اور آٹوفجی کے دوران خلیے وائرس اور بیکٹیریا کو تباہ کرتے ہیں اور تباہ شدہ ڈھانچے (جیسے کینسر کے خلیات وغیرہ) سے نجات پاتے ہیں۔ خلیے کی صحت، تجدید اور بقا کے لیے روزہ بہت ضروری ہے۔ یہ نہ صرف عمر بڑھنے کے عمل کو سست کرنے میں مدد کرتا ہے بلکہ خلیوں کی تجدید پر بھی مثبت اثر ڈالتا ہے۔ کیونکہ فاقہ کشی کے دوران خلیے پروٹین اور خلیے کے دوسرے اجزاء کو توڑ کر توانائی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یوشینوری نے مزید کہا، 12 گھنٹے سے زیادہ روزہ رکھنے سے آٹوفجی کا عمل شروع ہوتا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ تیس دن تک روزہ رکھنے سے کینسر پر کنٹرول ممکن ہے۔ غالباً اسی لیے ربِّ کریم نے روزے فرض کیے ہیں۔

میرا پانچواں موضوع الرزاق ہے: اللہ الرزاق جو اپنی حکمت سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق روک لیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے اپنے فضل اور رحمت سے پھیلا دیتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے: اے نبیؐ، ان سے کہو، "میرا ربّ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے۔ جو کچھ تم خرچ کر دیتے ہو اُس کی جگہ وہی تم کو اور دیتا ہے، وہ سب رازقوں سے بہتر رازق ہے (34:39)۔" زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو اور جس کے متعلق وہ نہ جانتا ہو کہ کہاں وہ رہتا ہے اور کہاں وہ سونپا جاتا ہے، سب کچھ ایک صاف دفتر میں درج ہے (11:6)۔ بے شک یہ اللہ کی صفت اور اختیار ہے لیکن کیا ایسا ہوتا ہے ؟ نہیں ! اگر ایسا ہوتا تو روزی کمانے کے لیے کام کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ آج جو قومیں جد وجہد اور محنت کرتی ہیں وہ دنیا کی ترقی یافتہ قوم بن جاتی ہیں۔ آج امت

مسلمہ تنزلی کی گہرائیوں میں گر چکی ہے۔ کیااللہ یہ چاہتا تھا؟ نہیں! اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم زندگی کا مقصد کھو چکے ہیں۔ ہم وظائف اور جادو ٹونے سے امیر ہوناچاہتے ہیں، جو سراسر اسلامی تعلیمات کے بر خلاف ہے۔

میرا چھٹا موضوع عمومی ہے: اللہ نے اس کائنات میں ایک طبعی قانون اور ایک اخلاقی قانون رکھا ہے۔ جب ان میں سے ایک یا ایک سے زیادہ قوانین کو توڑا جاتا ہے تو اللہ مصائب کو آنے دیتا ہے۔ طبعی قانون اسباب اور اس کے اثرات پر مبنی ہے۔ بیماری اس وقت آتی ہے جب کوئی اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتا یا نقصان دہ بیکٹیریا یا وائرس کا شکار ہو جاتا ہے۔ کوئی پوچھ سکتا ہے کہ اللہ نے بیکٹیریا اور وائرس کیوں بنائے؟ بیکٹیریا یا وائرس جو ہمیں اپنے نظام انہضام کے لیے درکار ہیں، ہم انہیں اچھے بیکٹیریا/وائرس کہتے ہیں۔ جسے ہم برا بیکٹیریا سمجھتے ہیں، یہ ہمارے لیے برا ہو سکتا ہے لیکن ہماری خوراک کے ذرائع کے لیے اچھا ہو سکتا ہے۔ جب کار حادثہ ہوتا ہے؛ کیااللہ چاہتا تھا؟ نہیں! یہ ڈرائیور کی لاپرواہی کی وجہ سے ہو سکتا ہے، یا گاڑی کی صحیح دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے، سڑکیں تیز رفتار ٹریفک کے لیے موزوں نہ ہوں، یا ٹریفک قوانین کا صحیح طور پر نفاذ نہ ہو۔ بد قسمتی سے جب کسی کی عصمت دری ہوتی ہے تو کیا اللہ نے یہ چاہا تھا؟ نہیں! اللہ نے مجرموں کے لیے سزائے موت مقرر کی ہے۔ اسی لیے اللہ نے مردوں اور عورتوں کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا۔ اگر لوگ شراب نوشی کی وجہ سے اپنے جگر اور لبلبہ کو نقصان پہنچاتے ہیں، کیا اللہ نے چاہا تھا؟ نہیں! اسلام میں یہ حرام ہے اور سو کوڑوں کی سزا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اللہ نے فرمایا: اے میرے بندو، میں تمہارے لیے صرف تمہارے اعمال لکھتا ہوں اور پھر تمہیں اس کا بدلہ دوں گا، لہٰذا جو اچھائی پائے وہ اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے علاوہ پائے، وہ اپنے سوا کسی پر الزام نہ لگائے (مسلم 2577)۔ کیا یہ حدیث یہ کہتی ہے کہ اللہ ہم سے ظلم کرواتا ہے اور پھر ہمیں سزا دیتا ہے؟ نہیں! وہ ہمیں ہمارے اعمال کا بدلہ دیتا ہے۔

میرا ساتواں موضوع: اللہ نے زچگی کا جو نظام بنایا ہے اس میں بچے اور بچیاں تقریباً ایک جتنے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود کسی کے اولاد نہیں ہوتی، کسی کے محض بچیاں ہوتی ہیں، کسی کے محض لڑکے ہوتے ہیں اور کسی کے بچے بچیاں دونوں ہوتے ہیں۔ اللہ کو پتا ہے کہ کس کے ہاں کیا پیدا ہو گا۔ اللہ نے جو نظام بنایا ہے قرآن اسے یوں بیان کرتا ہے: اللہ تعالیٰ نے نطفے کے قطرہ سے جوڑے (نر اور مادہ) پیدا کیے جب اُسے ٹپکایا جاتا ہے (53:46-45)۔ ترقی کرتا ہوا جنیاتی علم مالیکیول حیاتیات نے قرآن پاک کے اس دعویٰ کی

تصدیق کی ہے کہ بچے کی جنس کا تعین نر کے جرثومہ سے ہوتا ہے۔ اس عمل میں عورت کا کوئی کردار نہیں۔ نر کے نطفے میں X اور Y کروموسوم ہوتے ہیں جبکہ مادہ میں صرف X کروسوم ہوتا ہے۔ جب مرد کا Y کروموسوم مادہ کے انڈے سے ملتا ہے تو نر بچہ پیدا ہوتا ہے اور جب مرد کا X کروموسوم ملتا ہے تو مادہ بچہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ سب اتفاق ہے اور اللہ جانتا ہے۔ دعا اسے بدل سکتی ہے۔ جن کے اولاد نہیں ہوتی، یا مفلوج اولاد پیدا ہوتی ہے، یہ نظام میں خرابی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ کو موردِ الزام نہ ٹھہراؤ (یہ بھی ایک امتحان ہے)۔ سائنسدانوں نے پیش گوئی کی ہے کہ مستقبل میں پیدا ہونے والے ایک تہائی بچے آٹسٹک ہوں گے۔ کیا اللہ نے یہ چاہا؟ نہیں! یہ غالباً حمل اور/یا بچپن میں دی گئی ویکسینیشن کا ضمنی اثر ہے۔

میرا آٹھواں موضوع: کیا انبیاء اللہ کے سب سے محبوب بندے نہیں؟ کیا سب سے زیادہ انبیاء نہیں آزمائے گئے؟ لہٰذا اللہ پر الزام تراشی بند کرو۔ کیا طائف میں نبیؐ سر سے پاؤں تک اپنے خون میں نہیں نہائے؟ کیا اللہ نے چاہا تھا؟ نہیں! آپؐ تو اللہ کے محبوب تھے۔ کیا شعب ابی طالب میں آپؐ اور آپ کے صحابہؓ کو تین سال بھوکا نہیں رکھا گیا؟ کیا اللہ نے چاہا تھا؟ نہیں! سورت یاسین میں مذکور واقعہ جس میں تینوں انبیاءؑ اور مومن بندے کو پاؤں تلے روند کر شہید کیا گیا۔ کیا اللہ نے چاہا تھا؟ نہیں! یہ تمام واقعات ان لوگوں کی کارستانی تھی جو اپنے علماء اور امراء کی اندھی تقلید کرتے تھے۔ درج ذیل حدیث کو غور سے پڑھیں، آپ کو جواب مل جائے گا۔ اے مسلمانو، حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! لوگوں میں سب سے سخت آزمائش کس کی ہوتی ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: انبیاءِ کرامؑ، پھر درجہ بدرجہ جو اُن سے زیادہ قریب ہوتا ہے، چنانچہ آدمی کو اپنی دینی حالت کے مطابق آزمایا جاتا ہے، اگر اس کا ایمان مضبوط ہو تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے، اور اگر اس کے دین میں کمزوری ہو تو اپنی دینی حالت کے بقدر آزمایا جاتا ہے، بہر حال آزمائش بندہ مؤمن کے ساتھ لگی رہتی ہے یہاں تک کہ اسے اس حال میں پہنچا دیتی ہے کہ وہ زمین پر چلتا ہے اور اس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا (ترمذی 2398)۔ میں جب برطانیہ میں پڑھتا تھا تو میرے ایک فلسطینی دوست نے طنزاً کہا، اللہ ایسے ہی جس کو چاہتا نبی بنا دیتا ہے۔ یہ درست نہیں، اللہ قرآن میں کہتا ہے: اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنے پیغام کے لیے کس کو چننا ہے (6:124)۔ ایک حدیث میں عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کی طرح کسی کو بیماری کی تکلیف میں مبتلا نہیں دیکھا۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کی بیماری کے دوران

آپ کی عیادت کی اور آپ کو شدید بخار تھا۔ میں نے کہا، "آپ کو تیز بخار ہے۔ کیا اس لیے کہ آپ کو اس کا دوہرا اجر ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، اس لیے کہ کسی مسلمان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ اس طرح مٹا دیتا ہے جیسے درخت کے پتے گرتے ہیں" (بخاری 5647)۔ مزید رسول اللہؐ نے فرمایا: "مسلمان کو نہ تھکاوٹ، نہ بیماری، نہ رنج، نہ غم، نہ چوٹ، نہ اذیت، نہ تکلیف، خواہ وہ کانٹا ہی کیوں نہ چبھا ہو، لیکن اللہ تعالیٰ انہیں کچھ گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے" (بخاری 5642)۔ اسی لیے رسول اللہؐ نے فرمایا: **"اگر اللہ کسی پر احسان کرنا چاہتا ہے تو اسے آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے"** (بخاری 5645)۔ دنیاوی نظام میں جتنا اونچا مقام ہو گا، اُتنا ہی امتحان سخت اور مشکل ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اللہ کا بھی اصول ہے۔

میرا نواں موضوع: ہمیں احتیاطی تدابیر کو اختیار کرنے کے لیے اسباب اور ان کے اثرات کا مطالعہ کرنے کے لیے اپنی عقل کا استعمال کرنا تھا۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو کیا اللہ کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ نہیں! یاد رکھیں، ہمارا مہربان ربّ ہماری اکثر کوتاہیوں اور گناہوں پر ہم سے فوراً حساب نہیں لیتا۔ غزوہ احد میں مسلمان جیت رہے تھے اور دشمن بھاگ رہا تھا، جب پہاڑ پر موجود صحابہ نے سخت حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی تو دشمن پیچھے سے حملہ آور ہوا اور مسلمان جیتی ہوئی جنگ ہار گئے۔ کیا اللہ نے ایسا چاہا؟ نہیں! جنگ حنین میں مسلم فوج کی تعداد زیادہ تھی، وہ حد سے زیادہ پر اعتماد ہو گئے اور انہوں نے مناسب احتیاطی تدابیر اختیار نہ کیں اور وہ تقریباً جنگ ہار گئے تھے۔ رسول اللہؐ دونوں جنگوں میں زخمی ہوئے۔ کیا اللہ نے ایسا چاہا؟ نہیں! اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے: تم لوگوں پر جو مصیبت بھی آتی ہے، تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آتی ہے، اور بہت سے قصوروں سے وہ ویسے ہی در گزر کر جاتا ہے (42:30)۔ اگر وہ ہماری تمام خطاؤں کا فوری محاسبہ کرتا تو آزمائش کے لیے کوئی بھی نہ بچتا۔ کتنی بار ایسا ہوتا ہے کہ ہم احتیاط نہیں کرتے اور پھر بھی ہم اپنی منزل تک محفوظ پہنچ جاتے ہیں۔ لوگ جس طرح سے گاڑی چلاتے ہیں، یہ ایک معجزہ ہے کہ نہ زیادہ حادثات ہوتے ہیں اور نہ ہی زیادہ لوگ زخمی ہوتے ہیں۔ لہٰذا، صحیح طریقہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ آزمائشوں پر اللہ کو یا دوسروں کو موردِ الزام نہ ٹھہرائیں، بلکہ استقامت کے ساتھ آزمائشوں کا مقابلہ کریں۔ ہمیں سمجھنا چاہیے کہ آزمائشیں دنیاوی نظام کا لازمی حصہ ہیں۔ یہ ہمارے ایمان کا امتحان لینے اور ہمیں سیدھے راستے پر واپس لانے کے لیے ہیں۔

دوسری طرف شیطان ہمیں آزمائشوں پر منفی ردعمل ظاہر کرنے اور اپنی غلطیوں کی ذمہ داری اللہ پر ڈالنے پر اکساتا ہے۔ جبکہ اپنے مصائب پر دوسروں کو موردالزام ٹھہرانا ذاتی ذمہ داری سے بچنے کا ایک بھونڈا طریقہ ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ حقیقی حل کو دھندلا دیتا ہے۔اے مسلمانو، اللہ ہمارے حالات کو اس وقت تک بہتر نہیں کرتا جب تک ہم اپنے باطن کا تنقیدی جائزہ نہ لیں۔ جب ہم سب اپنے باطن کا تنقیدی جائزہ لیں گے تو ہم اپنے دل اور معاشرے کو اخلاقی اور روحانی بیماریوں سے پاک کر لیں گے۔ لہٰذا اللہ پر الزام تراشی بند کرو، اور اگر کسی پر الزام لگانا ہی ہے تو خود کو ملامت کرو۔

میرا دسواں موضوع: ایک عہد جو ہماری روحوں کی تخلیق کے وقت آسمانوں میں ہم سے لیا گیا تھا، ہمیں اس عہد کی تکمیل کے لیے اس دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ آزمائشیں ٹیسٹ کا حصہ ہیں، اگر اس میں منفی عناصر نہ ہوتے تو مثبت کو اپنانا کوئی انتخاب نہ ہوتا اور نہ ہی ہماری کارکردگی آزمائش کا نتیجہ ہوتی۔ مثبت کو منتخب کرنے اور اللہ کی رضا اور قرب حاصل کرنے کے اہل ہونے کے لیے منفی عنصر کا ہونا ضروری ہے۔ اور جب ہم برائی کو اس زاویے سے دیکھیں گے تو یہ ہمارے لیے باعث برکت ہوگی، کیونکہ تب ہم سمجھ جائیں گے کہ برائی کیا ہے، اس سے کیسے بچنا ہے اور اس کا مقابلہ کیسے کرنا ہے۔ ساتویں موضوع میں دی گئی حدیث اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس لیے جب بھی کسی مشکل صورتحال کا سامنا کرنا پڑے تو شکایت کرنے سے پہلے اس حدیث پر ضرور غور کر لینا۔

میرا گیارہواں موضوع: قرآن میں مذکور ہے کہ جب ابراہیمؑ نے (نمرود سے) کہا کہ "میرا ربّ وہ ہے جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے" تو اُس نے جواب دیا: "زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے" (یعنی جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے موت دیتا ہے)۔ ابراہیمؑ نے کہا: "اچھا، اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو ذرا اُسے مغرب سے نکال لا۔" یہ سن کر وہ منکر حق ششدر رہ گیا (پھر بھی ایمان نہ لایا)، مگر اللہ ظالموں کو راہِ راست نہیں دکھایا کرتا (یعنی جو اپنے گمراہ کن عقائد میں جکڑا ہوا ہے وہ واپس نہیں آئے گا) (2:258)۔ اس گفتگو کے بعد اس نے ابراہیمؑ کو آگ میں پھینک دیا۔ قرآن مزید کہتا ہے: لوگو، تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے نصیحت آگئی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے اور جو اسے قبول کرلیں ان کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے (10:57)۔ ہمیں فانی حکمرانوں کے سحر میں مبتلا

نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنی عقل کو استعمال کرتے ہوئے ہر چیز کے خالق (اللہ) سے محبت کرنی چاہیے نہ کہ موردالزام ٹھہرانا چاہیے۔

میرا بارہواں موضوع: رسول اللہؐ فرماتے ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ نے نیکیوں اور برائیوں کو لکھ دیا ہے، پھر اس کی وضاحت فرمائی: "جس نے نیکی کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہ کیا تو اللہ اس کی نیت کی وجہ سے اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دیتا ہے۔ اور اگر وہ اس پر عمل کرتا ہے تو اللہ اس کے نامہ اعمال میں دس نیکیوں سے سات سو گنا یا اس سے زیادہ تک لکھ دیتا ہے۔ اور اگر وہ کسی برائی کا ارادہ کرے لیکن اس پر عمل نہ کرے تب بھی اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دیتا ہے۔ اور اگر وہ اس پر عمل کرے (یعنی برائی کرے) تب بھی اللہ اس کے نامہ اعمال میں صرف ایک برائی لکھتا ہے" (بخاری، مسلم)۔ اس کے باوجود اگر ہمارے گناہ ہماری نیکی سے بڑھ جائیں تو کیا یہ اللہ نے چاہا تھا (اناللہ)۔ ہمارا مالک الرحمٰن تو ہمیں پاس کرنے کے بہانے ڈھونڈ رہا ہے۔ لہٰذا، ہم نے جو گند پیدا کیا ہے اس کے لیے اللہ کو موردِ الزام ٹھہرانا بند کریں۔ یہ ہم تھے جنہوں نے برے فیصلے کئے۔ ہم نے بائیں جانے کا انتخاب کیا، جبکہ اللہ نے دائیں چلنے کو کہا تھا۔ ہمیں جو کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر الزام لگانے کے بجائے اس سے معافی مانگیں، مصائب پر صبر کا مظاہرہ کریں اور اس سے دنیا اور آخرت کی بہتری کے لیے رہنمائی مانگیں۔ اس سلسلے میں یہ بھی یاد رکھیں کہ عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: "کوئی نماز بغیر طہارت کے قبول نہیں ہوتی اور نہ کوئی صدقہ قبول ہوتا ہے جو ناجائز طور پر حاصل کیے گئے مال سے دیا جائے" (مسلم)۔

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

کیا اللہ کو ہماری محبت کا محور نہیں ہونا چاہیے

مومن کا حقیقی محبوب اللہ کو ہونا چاہیے جو اپنی مخلوق سے ان کی ماؤں سے ستر گنا زیادہ پیار کرتا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کی بنیادی صفت الرحمٰن ہے۔ اس کے مترادف ہیں، سب سے زیادہ رحم کرنے والا، ہمیشہ بخشنے والا، سب سے زیادہ مہربان، انتہائی نرم، وغیرہ۔ یعنی وہ ابدی رحمت والا ہے۔ اور جو کچھ وہ کرتا ہے وہ اس کی رحمت سے باہر نہیں۔ کوئی صفت اس تعداد کے قریب نہیں آتی جتنی بار اللہ نے قرآن میں رحمٰن

کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اسی طرح الرحیم نام سے مراد وہ خاص رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مومنوں پر کرے گا۔ یہ نام قرآن مجید میں بھی کثرت سے آیا ہے۔ یہ دونوں نام اللہ کی اہم ترین صفات میں سے ہیں۔ اللہ کی رحمت کو سمجھنے کے لیے آیئے اس حدیث کو دیکھتے ہیں جس میں رسول اللہؐ نے فرمایا: اللہ نے اپنی رحمت کو سو حصوں میں تقسیم کیا اور ایک حصہ زمین پر اتارا۔ اس ایک حصے کی وجہ سے مخلوقات میں باہمی محبت اتنی ہے کہ گھوڑا اس خوف سے اپنے بچّے کے پاس سے کھر اُٹھا لیتا ہے کہ کہیں اسے نقصان نہ پہنچے۔ اللہ الرحمٰن اور الرحیم ہے، اس کی رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، اور وہ ایک فیصد رحمت کائنات میں موجود تمام ہمدردی اور محبت کا سرچشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس رحمت کے بقیہ ننانوے حصے قیامت کے دن اپنے مومن بندوں کے لیے محفوظ کر رکھے ہیں (مسلم 6908)۔ اللہ قرآن میں کہتا ہے: "اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو اس کے لیے سب اچھے ہی نام ہیں۔" اور اپنی نماز نہ بہت زیادہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ بہت پست آواز سے، ان دونوں کے درمیان اوسط درجے کا لہجہ اختیار کرو" (17:110)۔

پھر کیا اللہ کو ہماری محبت کا محور نہیں ہونا چاہیے۔ ہاں بلاشبہ ایک سچا مومن صرف اللہ سے محبت کرتا ہے، اگر وہ کسی اور سے محبت کرتا ہے تو اسی کی خاطر اس سے محبت کرتا ہے، وہ صرف اسی کی خاطر دوستی کرتا ہے یا دشمنی کرتا ہے۔ یعنی اس کا جینا اور مرنا صرف اللہ کے لیے ہے۔ اللہ کی محبت حاصل کرنے والے صبر سے اپنی ناکامیوں اور مشکلات پر قابو پا لیتے ہیں۔ اللہ پر مکمل بھروسہ انہیں فانی دنیا سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ جو اللہ پر سچا ایمان رکھتے ہیں وہی اللہ کے دوست ہیں۔ وہ اللہ کی زیادہ سے زیادہ صفات کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ جتنا زیادہ اس کی صفات کو اپنے کردار میں ظاہر کرتے ہیں، اللہ کے اتنے ہی قریب ہوتے ہیں۔ اللہٰ فرماتا ہے کہ جب وہ کسی سے دوستی کرتا ہے تو اس کی آنکھ اور کان بن جاتا ہے، پھر وہ کائنات کی نشانیوں کو سمجھنے لگتا ہے۔ وہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے گا (یعنی اس کے احکام کی تعمیل کرے گا)۔ ایسے لوگوں کے لیے قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان سے کہو اے نبی! اے میرے بندو، جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے وہ تو غفور، رحیم ہے (39:53)۔ اللہ نے ہماری پکار پر لبیک کہنے کا وعدہ کیا ہے۔ اس نے اعلان کیا، "مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا جو لوگ گھمنڈ میں آ کر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، ضرور وہ

ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے" (40:60)۔ جب آزمائشوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا تو ہمارے پیارے نبیؐ نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے محبت اور بندگی سے مسلسل دعائیں مانگیں۔

اے مسلمانو ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ جہاں اللہ ہم سے ہماری ماؤں سے ستر گنا زیادہ محبت کرتا ہے وہاں وہ بے نیاز بھی ہے اس لیے اس کی ناراضگی سے بچو۔ جس طرح ایک عاشق اپنے محبوب کو راضی کرنے کے لیے اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے، اسی طرح ہمیں حقیقی محبوب اللہ کی ہر بات کو ماننا چاہیے اور ایسی محبت اور اطاعت کسی اور کے لیے نہیں ہونی چاہیے۔ اسی لیے وہ ہمیں ایک معینہ مدت تک مہلت دیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کی اطاعت کیسے کی جائے؟ جواب آسان ہے، قرآن کو سمجھ کر پڑھیں، اور اس کے احکام، اور رسول اللہؐ کی سنت پر عمل کریں اور اچھے اخلاق رکھیں۔ موت کی سختی، عذاب قبر، قیامت کی سختی اور جہنم کے سخت عذاب سے بچنے کا یہی واحد طریقہ ہے۔ اللہ ہمیں اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

امت کو میری نصیحت

اے مسلمانو، آزمائشیں اللہ کی طرف سے کوئی عذاب نہیں ہیں بلکہ یہ اس کی بے پایاں رحمت کا حصہ ہیں، ان کے ذریعے وہ ہماری اکثر خطاؤں اور گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ کاش ہم جان لیں کہ اللہ ہمیں کن مصیبتوں سے بچاتا ہے تو ہم کبھی نماز نہیں چھوڑیں گے اور نہ ہی کبھی سجدے سے سر اٹھانا چاہیں گے۔ وہ آزمائشیں جو ہمیں غمگین کرتی ہیں وہ بدتر تکالیف سے تحفظ کی ایک شکل ہو سکتی ہیں جو ہم پر پڑ سکتی تھیں، یا یہ ہمارے لیے بھلائی کا ذریعہ ہو سکتی ہیں۔ اللہ قرآن میں ہمیں بتاتا ہے: تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اُسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو (4:19)۔ یعنی، آزمائش کے بھیس میں ایک نعمت ہو سکتی ہے، لہٰذا شکر گزار بنو۔ یہ آزمائشیں آخرت کی سزاؤں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔

اے مسلمانو اگر اللہ ہم سے دنیاوی خداؤں کی طرح حساب لے تو ہم سب برباد ہو جائیں گے۔ میں عام طور پر دوستوں سے کہتا ہوں کہ قیامت کے دن مجھے اللہ کبھی یہ نہ کہے کہ میں ایمانداری سے اپنی نمازوں پر خود نمبر لگاؤں۔ صد افسوس، میں جانتا ہوں، وہ صفر ہیں، اور اگر وہ کسی اور سے کہے کہ وہ ان کو چیک کرے تو وہ مجھے منفی نمبر دے گا۔ کوئی پوچھ سکتا ہے کیوں؟ کیونکہ، جب میں ایک چھوٹے سے دنیاوی خدا (مثلاً، ڈی سی) کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں، تو میری پوری توجہ مرکوز ہوتی، صد افسوس جب میں اپنے ربّ کے سامنے

کھڑا ہوتا ہوں تو میری توجہ سرے سے مرکوز ہی نہیں ہوتی، اور نہ ہی مجھے پتہ ہوتا ہے کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ اور سب سے بڑھ کر، وہ میری سوچوں تک کو جانتا ہے۔ اسی لیے نبیؐ نے فرمایا: "کسی کے عمل اسے جنت میں داخل نہیں کریں گے۔" صحابہ نے عرض کیا: آپ کے بھی نہیں یا رسول اللہؐ؟ آپؐ نے فرمایا: "نہیں، میرے بھی نہیں، جب تک کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے نہ نوازے" (اے اللہ تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں) (بخاری 5349؛ مسلم 7042)۔ اس لیے ہمیں اپنی کوتاہیوں پر توجہ دینی چاہیے، اپنی اصلاح کرنی چاہیے اور وہ بننے کی کوشش کریں جیسا اللہ ہمیں دیکھنا چاہتا ہے۔ لہٰذا، اپنے ایمان کو مضبوط کریں، اور صبر کے معیار کو بہتر بنا کر آخرت کی تیاری کریں۔ دوم، آزمائشیں وہ اوزار ہیں جو ہم میں ہماری بہترین یا بدترین خصلت کو سامنے لاتے ہیں۔ مسلم ہو یا غیر مسلم، ہم میں سے ہر ایک کو اپنی زندگی میں لامحالہ آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ زندگی کسی کے لیے بھی پھولوں کی سیج نہیں ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں، جو غربت سے نبرد آزما ہیں، کچھ ایسے ہیں، جو اپنی صحت کے بارے میں فکر مند ہیں، اور پھر کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنے خاندانی معاملات سے پریشان ہیں۔ ایک عام سوال جو ہر کوئی اپنی پریشانیوں کے درمیان پوچھتا ہے کہ اللہ مجھے ان مصائب سے کیوں گزار رہا ہے؟ ہم ہمیشہ خوش کیوں نہیں رہ سکتے؟ میں نے ایسا کیا کیا ہے کہ میں اس کا مستحق ہوں؟ اللہ ہمیں کیوں آزمانا چاہتا ہے؟ اللہ الحکیم ہے، ہو سکتا ہے ہم اپنے محدود ذہنوں سے حکمت کی گہرائی کا اندازہ نہ کر سکیں، لیکن اس کے ہر عمل میں حکمت ہوتی ہے۔

اے مسلمانو امتحان ہمیں پاک کرنے کے لیے ہیں، جبکہ آزمائشیں مصائب سے بچاتی ہیں۔ آزمائشیں اور مصیبتیں ہمارے ایمان کو مضبوط کرتی ہیں۔ نبیؐ نے فرمایا: "مسلمان پر کوئی مصیبت نہیں آتی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے، چاہے کانٹا ہی کیوں نہ چبھے" (بخاری)۔ یاد رکھو اللہ تب ہی کسی قوم کی مدد کرتا ہے جب وہ کمزوروں کا خیال رکھے۔ ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا: "میرے لیے کمزوروں کی تلاش کرو، کیونکہ تمہیں صرف کمزوروں کی دیکھ بھال کی وجہ سے رزق اور ربّ کی مدد ملتی ہے" (ابوداؤد 2594)۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگتی ہیں۔ ہر بال میں سو دانے ہیں۔ اور خدا جس کے لیے چاہتا ہے (اپنا اجر) بڑھا دیتا ہے۔ اور خدا ہر چیز کا احاطہ کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے" (2:261)۔ قرآن ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ ہم دنیا میں پیچھے کیوں ہیں، اس کا کہنا ہے: مگر انسان کا حال یہ ہے

کہ اس کا ربّ جب اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اسے عزّت اور نعمت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے ربّ نے مجھے عزت دار بنایا ہے۔ اور جب وہ اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اس کا رزق اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے ربّ نے مجھے ذلیل کر دیا۔ ہر گز نہیں! بلکہ (یہ اس لیے ہے) کہ تم یتیم سے حسن سلوک نہیں کرتے، اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو نہیں ابھارتے، اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو، اور مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہو (89:15-20)۔ دوسرا یہ کہ اللہ کا قانون ہے کہ جس معاشرے میں انصاف نہ ہو اور اس کے لوگ اس کے خلاف جدوجہد نہ کریں، اللہ اس معاشرے کو تباہی سے نہیں بچاتا۔ اس سلسلے میں قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی (13:11)۔

دوسری طرف جب ہمیں آزمائشوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو ہم میں سے اکثر امید کھو بیٹھتے ہیں۔ ان لمحات کی تکلیف و پریشانی، عموماً ہمارے ایمان کو کمزور کر دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے کچھ لوگ اللہ کے انصاف اور حکمت پر سوال اٹھاتے ہیں اور پھر اپنے برے اعمال کے نتائج کا ذمہ دار اللہ کو ٹھہرا کر خود کو برے نتائج سے بری الذمہ قرار دیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ایسے لوگ خود کو کھوئے ہوئے، بے بس اور آگے بڑھنے سے قاصر محسوس کرتے ہیں۔ چونکہ ان میں سے زیادہ تر حالات نظام کی پیداوار ہیں، اس لیے اسلام ہمیں صبر کرنے اور اللہ سے امید رکھنے کا کہتا ہے۔ ہمیں زندگی کے مشکل لمحات پر قابو پانا قرآن اور سیرت نبویؐ سے سیکھنا چاہیے۔ ذیل میں اس معاملے کی اہم رہنمائی کا خلاصہ کیا گیا ہے۔ اس پر مجھے اپنی نظم "اے بندہِ مسلماں" یاد آگئی:

اے بندہِ مسلماں

جب مشکل میں تو گھر چکا ہو
اور اس سے نکل نہ پائے تو
جب الجھن میں تو پھنس چکا ہو
اور اسے سلجھا نہ پائے تو
ربّ ہے تیرے ساتھ یہ مت بھولنا تو　　اس سے رشتہ پیار کا جوڑ لینا تو
جب حادثوں سے پریشاں ہو چکا ہو
اور تنہائی میں کھو جائے تو
جب چار سو ظلمتوں میں گھر چکا ہو

اور اپنی بے بسی پر کملا جائے تو

ربّ ہے تیرے ساتھ یہ مت بھولنا تو اس سے رشتہ پیار کا جوڑ لینا تو

جب دکھاوے سے اجڑ چکا ہو
اور فقر سے تنگ ہو جائے تو
جب وہم میں تو گھر چکا ہو
اور شک کرنے لگ جائے تو

ربّ ہے تیرے ساتھ یہ مت بھولنا تو اس سے رشتہ پیار کا جوڑ لینا تو

جب توڑیں سب تجھ سے رشتے
اور ان کو جوڑ نہ پائے تو
جب منہ موڑیں ہمدم تیرے
اور دل کو سمجھانہ پائے تو

ربّ ہے تیرے ساتھ یہ مت بھولنا تو اس سے رشتہ پیار کا جوڑ لینا تو

جب حامی کوئی نہ رہے تیرا
اور آسرا ڈھونڈنہ پائے تو
جب تجھ کو ستائے اپنوں کی یاد
اور آنسو کو روک نہ پائے تو

ربّ ہے تیرے ساتھ یہ مت بھولنا تو اس سے رشتہ پیار کا جوڑ لینا تو

جب تیرے ہو جائیں راستے بند
اور کچھ بھی سہ ہ نہ پائے تو
بیزار زماں سے ہو چکا ہو
اور آس کی گاگر توڑ لے تو

ربّ ہے تیرے ساتھ یہ مت بھولنا تو اس سے رشتہ پیار کا جوڑ لینا تو

جب زندگی سے اکتا چکا ہو
اور ربّ سے لو لگا نہ پائے تو
پھر سجدے میں حلیم تو گر جانا
ممکن نہیں کہ خیر نہ پائے تو

ربّ ہے تیرے ساتھ یہ مت بھولنا تو اس سے رشتہ پیار کا جوڑ لینا تو

اس نظم کا مقصد مشکل وقت میں ہمیں بے بسی کے احساس کو حاوی نہیں ہونے دینا چاہیے۔ ہمیں وہ کام کرتے رہنا چاہیے جو ہمارے لیے بہتر ہوں۔ اور اگر ہم پھر بھی اپنے آپ کو بے بس محسوس کریں تو اللہ سے مدد مانگیں، اسی پر بھروسہ رکھیں، اسی سے آس لگایں اور اسی سے رشتہ جوڑنے کے کوشش کریں۔ بے بسی مقصد کے حصول میں سب سے بڑی رکاوٹ ہوتی ہے۔ یاد رکھیں جب کوئی اچھائی آتی ہے تو ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کیونکہ تمام بھلائی اسی کی طرف سے ہیں، اور اگر ہمارے ساتھ کچھ برا ہو تو ہمیں پیچھے مڑ کر دیکھنا چاہیے کہ ہم سے کہاں غلطی ہوئی ہے، اسے درست کریں، توبہ کریں اور آگے بڑھ جائیں۔ ہمیں اپنی غلطیوں کے لیے اللہ کو ہر گز موردِ الزام نہیں ٹھہرانا چاہیے، بلکہ صبر سے کام لیتے ہوئے ان سے سبق حاصل کریں، ورنہ شیطان ہمیں رحمٰن ربّ سے دور کر دے گا۔ پس جو شخص کسی ایسی چیز کے لیے کوشش کرتا ہے جو اس کے لیے فائدہ مند ہو اور ساتھ ہی ساتھ اللہ سے مدد طلب کرتا ہے، وہ اس شخص کے برعکس ہے جو امید کھو بیٹھتا ہے۔ کسی مفید چیز کے لیے کوشش کرنا اور پھر اللہ پر بھروسہ کرنا اپنے مقاصد کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اے مسلمانو، سجدہ اللہ کا قرب حاصل کرنے اور اس کی مدد حاصل کرنے کا بہترین اور آسان ذریعہ ہے۔ لہٰذا جس قدر ممکن ہو اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جایا کرو۔

اے مسلمانو ہمیں اپنے ایمان اور اخلاق کو مضبوط کرنا چاہیے، یہ ہمیں تمام رکاوٹوں کا مقابلہ کرنے میں مدد دے گا۔ جب ایمان کم ہونے لگتا ہے تو ہمیں قرآن کی طرف رجوع کرنا چاہیے، اور اپنے آپ کو یاد دلانا چاہیے کہ صرف اللہ ہی ہمیں ہماری آزمائشوں اور مصائب سے نکال سکتا ہے۔ ہمیں ثابت قدم رہنا چاہیے ورنہ شیطان شکوک و شبہات پیدا کر کے ہمارے ایمان کو کمزور کر کے اللہ سے دور کر دے گا۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے: اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں، اور وہ تمہیں چھوڑ دے، تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہو؟ پس جو سچے مومن ہیں ان کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے (3:160)۔ مضبوط ایمان ہمیں اس حقیقت پر مرکوز رکھتا ہے کہ اللہ (قادرِ مطلق) ہی تمام تقدیر کو کنٹرول کرتا ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ جب مصائب کا سامنا ہو تو صرف اللہ ہی اس درد پر قابو پانے میں ہماری مدد کر سکتا ہے، اور ہمیں آگے بڑھنے کی امید اور توانائی فراہم کر سکتا ہے۔

دنیا کے کئی حصوں میں مسلمانوں کی حالت زار پر افسوس کرنے کے لیے بہت کچھ ہے، لیکن بیرونی عوامل پر سارا الزام لگانا ایک غلط سوچ ہے۔ کیونکہ روحانی اور اخلاقی اسباب کو نظر انداز کرتے ہوئے محض دنیاوی

اسباب پر توجہ مرکوز کرنا ہمیں حقیقت کو پہچاننے سے روک دیگی۔ مشکلات سے نکلنے کا واحد راستہ اللہ کے سامنے عاجزی کے ساتھ جھکنا، اس سے سچی توبہ کرنا، اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا، اپنے باطن اور اپنے اخلاق کو بہتر کرنا ہے۔ وقت نے ثابت کیا ہے کہ نوحؑ کے اٹھہتر لوگ بچ سکے، باقی ڈوب گئے۔ اسی طرح لوطؑ کی دو بیٹیوں کے علاوہ باقی سب ہلاک ہوئے، کیونکہ اندھی تقلید کی وجہ سے انہوں نے حق کا انکار کیا۔ یہودی حضرت عیسیٰؑ کا انتظار کر رہے تھے، لیکن علماء سوء کا خیال تھا کہ آپؑ کو قبول کرنے سے لوگوں پر ان کی گرفت ختم ہو جائے گی، اس لیے انہوں نے نہ صرف آپؑ کا انکار کیا، بلکہ آپ کو صلیب پر چڑھانے کی کوشش کی۔ صرف بارہ لوگوں نے آپؑ کی دعوت قبول کی۔ قرآن جگہ جگہ کہتا ہے کہ جو عقل کا صحیح استعمال کریں گے وہی آخرت میں کامیاب ہوں گے۔ اے مسلمانو! دیکھنے کی نعمت یہ ہے کہ ہم جو دیکھتے ہیں اس پر غور کریں۔ سماعت کی نعمت یہ ہے کہ ہم جو کچھ سنتے ہیں اس پر غور کریں۔ دماغ کی نعمت کائنات میں موجود نشانیوں، ہمارے ارد گرد کی نشانیوں، ہمارے اندر کی نشانیوں اور قرآن میں موجود نشانیوں پر غور و فکر کرنے کے لیے دی گئی ہے۔ اے مسلمانو! اگر ہم نشانیوں پر غور کریں تو اللہ کو پا لیں گے، پھر اس سے محبت کریں گے اور اس کی عبادت کریں گے۔ اے مسلمانو، اللہ کو نہ ہماری ضرورت ہے، نہ فرشتوں کی، نہ انبیاء وغیرہ کی، ہم اس کے محتاج ہیں، یہ حقیقت ہے، اس لیے ہمیں اس کے سامنے عاجزی سے جھک جانا چاہیے۔

اللہ کی رحمت کی سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یہ مستقل ہے اور کبھی ختم نہیں ہوتی، چاہے کسی کو اس کا احساس ہو یا نہ ہو۔ اللہ نبیؐ سے کہتا ہے: اب اگر وہ تمہیں جھٹلائیں تو ان سے کہہ دو کہ "تمہارے ربّ کا دامنِ رحمت وسیع ہے اور مجرموں سے اس کے عذاب کو پھیرا نہیں جا سکتا" (6:147)۔ اسی طرح مومنوں سے کہلواتا ہے: "اور ہمارے لیے اس دنیا کی بھلائی بھی لکھ دیجیے اور آخرت کی بھی، ہم نے آپ کی طرف رجوع کر لیا۔" جواب میں ارشاد ہوا "سزا تو میں جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں مگر میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ اور اُسے میں اُن لوگوں کے حق میں لکھوں گا جو نافرمانی سے پرہیز کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور میری آیات پر ایمان لائیں گے" (7:156)۔ پھر اللہ پوچھتا ہے: (اے نبیؐ) کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟ یہ لوگ اُس کے سوا دوسروں سے تم کو ڈراتے ہیں۔ حالانکہ اللہ جسے گمراہی میں ڈال دے اُسے کوئی راستہ دکھانے والا نہیں ہے، اور جسے وہ ہدایت دے اُسے بھٹکانے والا بھی کوئی نہیں۔ کیا

اللہ زبردست اور انتقام لینے والا نہیں ہے ؟اِن لوگوں سے اگر تم پوچھو کہ زمین اور آسمانوں کو کس نے پیدا کیاہے تو یہ خود کہیں گے کہ اللہ نے۔اِن سے پوچھو، جب حقیقت یہ ہے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو کیا تمہاری یہ دیویاں، جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو، مجھے اُس کے پہنچائے ہوئے نقصان سے بچالیں گی ؟ یااللہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اس کی رحمت کو روک سکیں گی ؟ پس ان سے کہہ دو کہ میرے لیے اللہ ہی کافی ہے، بھروسہ کرنے والے اُسی پر بھروسہ کرتے ہیں (39:36-38)۔

اے مسلمانو، سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ جبرائیلؑ نبیؐ کے پاس آئے اور آپؐ کو پانچ نصیحتیں کیں اور فرمایا: "اے محمدؐ جس طرح چاہو زندگی گزارو، تمہیں موت آئے گی۔ جیسا چاہو کام کرو،اسی کے مطابق جزا ملے گی۔ جس سے چاہو محبت کرو تم جدا ہو جاؤ گے۔ جان لو کہ مومن کی شان رات کی نماز میں ہے اور اس کی عزت لوگوں سے بے نیازی میں ہے" (المعجم الاوسط 4410)۔ میں پانچوں نصیحتوں کو مثالوں کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کروں گا۔

اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارو، لیکن جان لو کہ ایک دن تم مر جاؤ گے: ایک روایت میں ہے کہ اسرافیلؑ نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے کہا کہ آپ دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں۔ کیاآپ داؤد اور سلیمان کی طرح بادشاہوں کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں یا آپ اللہ کے عاجز بندے بننا پسند کریں گے ؟ نبیؐ نے جبرائیلؑ سے اشاروں میں مشورہ کیاانہوں نے آپؐ کو بتایا کہ اللہ عاجز بندوں سے محبت کرتا ہے،اس لیے آپ نے بعد والے کاانتخاب کیااور سادہ زندگی گزاری۔ آپؐ کئی کئی دن بھوکا رہتے اور آپؐ نے بھوک کو دبانے کے لیے پیٹ پر پتھر بھی باندھے۔ آپؐ یقینی طور پر جانتے تھے کہ آپ کو موت آئے گی،اس لیے آپ نے ہمیشگی کی زندگی کاانتخاب کیا۔ یہ ہم پر چھوڑ دیا گیاہے کہ ہم جس کو چاہیں اپنائیں، کیونکہ یقیناًہم بھی مر جائیں گے۔

جیسا چاہو کرو،اور جان لو کہ تمہیں اسی کے مطابق بدلہ دیا جائے گا: حسن البصری سے کسی نے پوچھا: آپ کے تقویٰ کا راز کیا ہے ؟ آپؒ نے جواب دیا: "میں نے چار باتیں سمجھیں: 1) یہ کہ میرا رزق کوئی نہیں لے سکتا،اس لیے میرا دل مطمئن ہو گیا۔ 2) کہ میری طرف سے کوئی عبادت نہیں کر سکتا،اس لیے میں نے خود کرنا شروع کر دی۔ 3) یہ کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے،اس لیے گناہ کرتے ہوئے شرمندگی ہوتی۔ 4) کہ میں مر جاؤں گی، چنانچہ میں نے اللہ سے ملنے کی تیاری شروع کر دی۔ اے مسلمانو ہم سب نے اللہ کی

طرف لوٹ کر جانا ہے۔ آئیں اس پر سنجیدگی سے غور کریں، اپنے اخلاق کو درست کریں، اور اپنی آخرت کی کامیابی کے لیے تیاری کریں۔

جس سے چاہو محبت کرو لیکن جان لو کہ ایک دن تم اس سے جدا ہو جاؤ گے: نبیؐ اپنی ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ پیار خدیجہؓ سے کرتے تھے۔ اس لیے جب تک وہ زندہ رہیں آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔ ان کے جانے کے بعد بھی آپؐ انہیں بہت یاد کرتے تھے۔ ان کے بعد آپؐ عائشہؓ اور ان کے والد ابو بکرؓ سے محبت کرتے تھے۔ آپؐ کے پیاروں میں آپ کی بیٹی فاطمہؓ اور آپ کے نواسے حسنؓ اور حسینؓ بھی تھے۔ انسان ہونے کے ناطے آپؐ اپنے پیاروں سے جدا ہو گئے۔ لہٰذا، ہمیں جب بھی موقع ملے تو، اپنے شریک حیات کو بتائیں کہ تم اس سے بہت پیار کرتے ہو۔ اپنے بچوں کی ذمہ داریاں پوری کریں، اپنے والدین کے ساتھ شفقت اور مہربانی کے ساتھ پیش آئیں۔ یقیناً ایک دن ہم سب اپنے پیاروں سے بچھڑ جائیں گے۔

جان لو کہ مومن کی شان تہجد کی نماز میں کھڑے ہونے میں ہے: نبیؐ رات کی تاریکی میں اٹھتے اور تہجد کی نماز پڑھتے۔ قرآن کی آیات پڑھتے پڑھتے رو پڑتے۔ دیر تک کھڑے رہنے کی وجہ سے آپ کے پاؤں مبارک سوج جاتے۔ آپؐ کی پیاری بیوی عائشہؓ نے آپ سے پوچھا: یارسول اللہؐ آپ اس قدر مشقت کیوں اٹھاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں؟ آپؐ نے جواب دیا: کیا میں اپنے آپ کو شکر گزار بندہ ثابت نہ کروں؟ مومن سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی زندگی اسی طرح گزارے گا۔ رات کو کچھ وقت سو کر گزاریں اور باقی رات تہجد میں گزاریں، اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں اور استغفار کریں۔ تہجد کی نماز کے لیے اٹھنے میں آپ کو ہمیشہ راحت اور سکون ملے گا۔

مومن کی عزت لوگوں سے بے نیاز ہونے میں ہے: لوگوں سے بے نیاز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ان کے پاس ہے اس کی خواہش نہ کریں اور بھیک مانگنے سے بچیں کیونکہ مانگنے والوں کی عزت نہیں ہوتی۔ لوگوں سے بے نیاز ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تنہائی میں رہیں، عزت نفس کی حدود میں رہتے ہوئے ضرورت کے وقت مدد مانگنا غلط نہیں ہے۔ سہل بن سعد السعدیؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہؐ مجھے ایسا عمل بتائیے کہ اگر میں کروں تو اللہ مجھ

سے محبت کرے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں۔"آپؐ نے فرمایا: "**دنیا کی تمنانہ کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس کی تمنانہ کرو، لوگ تم سے محبت کریں گے**"(ابن ماجہ)۔

اے مسلمانو، اسلام میں انفرادی ذمہ داری اور معاشرے کا رکن ہونے کے حقوق اور مراعات کے درمیان باہمی تعلق ہے۔ انفرادی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ضروری ہے اس سے پہلے کہ کوئی اس معاشرے سے کسی حصے کا دعویٰ کر سکے جس کا وہ حصہ ہے۔ معاشرے کے ہر فرد کو اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی ہوں گی اور پھر دوسروں سے توقع کرے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں۔ بھائی چارے کے تصورات نہ صرف فرد پر اپنی استطاعت کے مطابق اپنی سماجی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے لازمی ہوتے ہیں بلکہ ایک دوسرے کا خیال رکھنا بھی معاشرے کے ہر فرد کا فرض ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہؐ نے فرمایا: "تم میں سے جو کوئی بُرائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے، اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اسے اپنے دل میں بُرا سمجھے۔ یہ کمزور ترین ایمان ہے۔" اور مزید فرمایا: "اعمال صرف نیت سے ہوتے ہیں اور ہر آدمی کے لیے وہی ہو گا جو اس نے نیت کی۔"

اے مسلمانو، ایک اور حدیث میں رسول اللہؐ نے فرمایا: ایک شخص اپنی زندگی میں ایسی برائی کر سکتا ہے کہ اس کے اور جہنم کے دروازے کے درمیان صرف ایک قدم کا فاصلہ ہو اور پھر وہ توبہ کر کے اللہ سے معافی مانگے، کوئی نیک عمل کرے اور جنت میں داخل ہو جائے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں بہت سے ایسے اچھے کام کرے کہ اس کے اور جنت کے دروازے کے درمیان صرف ایک قدم کا فاصلہ ہو اور پھر ایسی برائی کا ارتکاب کرے جو اس کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہو۔ حدیث میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص عمر بھر اچھے کام کرتا رہے تو اسے کبھی یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ اس کی نیکیاں جنت میں داخل ہونے کے لیے کافی ہیں۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ کوئی ایک برا عمل تمام نیکیوں پر غالب آ سکتا ہے۔ اس کے برعکس ایسا شخص جس نے ساری زندگی برائی کی ہو وہ آخری وقت میں توبہ کر لے اور ایک نیک عمل کر کے جنت حاصل کر سکتا ہے۔ معافی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ مسلمان اپنی غلطی کو پہچانے، اسے تسلیم کرے، اسے نہ دہرانے کا عہد کرے اور صدق دل سے توبہ کرے۔ اسی طرح معافی مانگتے وقت ہمیں دوسروں کو معاف کرنا سیکھنا چاہیے، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو ترغیب دی جاتی ہے کہ دوسروں کی زیادتی کو معاف کریں۔

اے مسلمانو، اسلام ہمیں ان کو معاف کرنے کی ترغیب دیتا ہے جنہوں نے ہم پر زیادتی کی ہو۔ یہ ہمیں ایک دوسرے کو ثابت قدم رہنے اور ہمدردی سے پیش آنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ ہمیں غرباء کو اٹھانے کی ترغیب دیتا ہے، اور یہ ہمیں اپنی پسندیدہ چیز کو دوسروں کے ساتھ بانٹنے کی ترغیب دیتا ہے وغیرہ۔ اسلام ہمیں رمضان کے علاوہ اضافی روزے رکھنے، فرض نمازوں کے علاوہ نفلی نمازیں پڑھنے، زکوٰۃ کے علاوہ خیرات صدقات دینے وغیرہ کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ ہمیں یتیموں کی مدد کرنے، بھوکوں کو کھانا کھلانے اور لوگوں کو ثابت قدم رہنے کی ترغیب دینے کے لیے کہتا ہے۔ یہ ہمیں کہتا ہے کہ اجنبیوں کا مسکراہٹ کے ساتھ استقبال کریں، پوچھے جانے پر صحیح مشورہ دیں، تنازعات میں غیر جانبداری سے ثالثی کریں چاہے خاندان، دوستوں، یا برادری کے افراد کے درمیان ہوں، اور سب کا احترام کریں وغیرہ وغیرہ۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے آخری خطبہ میں، رسول اللہؐ نے ہمیں سکھایا کہ تمام انسان درجہ میں برابر ہیں "سوائے تقویٰ اور نیک اعمال کے۔" رسول اللہؐ نے فرمایا: رشتہ توڑنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔ ہم سب آدمؑ کی اولاد ہیں اس لیے ایک دوسرے سے تعلق ہے۔

اے مسلمانو، دولت کے بارے میں چار ضروری اسلامی تعلیمات کو یاد رکھیں: 1) اپنی دولت سے لطف اندوز ضرور ہوں، لیکن یہ آپ کو مقصدِ حیات سے غافل نہ کرے یا لالچی نہ بنائے۔ سچا مومن اپنے مال کو محض ایک دنیاوی معاملہ سمجھتا ہے کیونکہ یہ بعد کی زندگی میں اس کے ساتھ نہیں جائے گی۔ 2) مال ناجائز یا حرام طریقے سے حاصل نہ کرو۔ اسی لیے قرآن کہتا ہے: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، آپس میں ایک دُوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، لین دین ہونا چاہیے آپس کی رضامندی سے (4:29)۔ 3) غریبوں، یتیموں اور ضرورت مندوں پر زکوٰۃ کے علاوہ صدقہ خیرات کرو۔ جب کوئی اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو مال میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ صدقہ خیرات دولت میں اضافہ کرتا ہے کیونکہ اللہ اس کی جگہ اس سے بہتر چیز دیتا ہے (پورا معاشرہ ترقی کرتا ہے)۔ صدقہ خیرات کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ یہ لالچ کے چنگل سے نجات دلاتا ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا مسلمانوں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں میں بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیموں کے ساتھ برا سلوک کی جاتی ہو (بخاری)۔ لہذا، "بہترین گھر" کا درجہ کسی مادی چیز سے حاصل نہیں ہوتا جیسے خوبصورت باغ اور مہنگی سجاوٹ والا مہنگا گھر۔ بلکہ بہترین گھر وہ ہے جس میں رہنے والے ایک دوسرے کا، پڑوسیوں، رشتہ

داروں، یتیموں اور مسکینوں کا خیال رکھتے ہوں۔ اسی لیے رسول اللہؐ نے فرمایا: مسلمان کا وہ مال مبارک ہے جس میں سے وہ مسکین، یتیم اور مسافر کو دیتا ہے (مسلم)۔ 4) غربت میں صبر کرو، ربّ عطا کرے گا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: "اگر تم اللہ پر اس طرح بھروسہ کرو جیسے اس پر بھروسہ کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اسی طرح رزق دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔" پرندوں سے ہم سات سبق سیکھ سکتے ہیں: i) وہ مسلسل کام کرتے ہیں اور اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ پالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمیں بھی کوشش کرنی چاہیے اور ثابت قدم رہنا چاہیے۔ ii) وہ وقت کے بہت پابند ہیں، ہمارے سے پہلے اٹھتے ہیں، وقت پر رزق کی تلاش میں نکلتے ہیں اور وقت پر گھر لوٹتے ہیں۔ iii) پرندوں میں اتحاد اور تنظیم کا احساس ہوتا ہے۔ مشہور کہاوت ہے کہ متحد رہ کر ہم کھڑے رہتے ہیں اور تقسیم ہو کر گر جاتے ہیں۔ iv) پرندے ذخیرہ اندوزی نہیں کرتے، کیونکہ وہ لالچی نہیں ہوتے۔ جو قومیں ذخیرہ اندوزی نہیں کرتیں وہ ترقی کرتی ہیں۔ v) وہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اور صبر کرتے ہیں۔ ہمیں بھی اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے، صبر واستقامت کے ساتھ کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ vi) وہ وقت کی پابندی کرتے ہیں۔ جو قومیں وقت کی پابندی کرتی ہیں وہ کامیاب ہوتی ہیں۔ vii) وہ جاگیر نہیں بناتے بلکہ جہاں انہیں رزق اور سازگار ماحول ملتا ہے وہیں آباد ہو جاتے ہیں۔ جو کچھ ہم جمع کرتے ہیں وہ دوسروں کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ چند مثالیں ہیں جہاں مسلمانوں کو اپنی دولت کو سنبھالنا سکھایا گیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو (دنیا میں) نذر پوری کرتے ہیں، اور اُس دن سے ڈرتے ہیں جس کی آفت ہر طرف پھیلی ہوئی ہوگی، اور اللہ کی محبّت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور اُن سے کہتے ہیں کہ) "ہم تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں، ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ ہمیں تو اپنے ربّ سے اُس دن کے عذاب کا خوف لاحق ہے جو سخت مصیبت کا انتہائی طویل دن ہوگا" (76:7-10)۔

اے مسلمانو رسول اللہؐ نے فرمایا: "جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں سوائے تین چیزوں کے۔ صدقہ جاریہ، فائدہ مند علم، اور صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو"۔ اے مسلمانو یہ دنیا ایک عارضی ٹھکانہ ہے جس کی مدت معین ہے۔ جب قیامت آئے گی تو اس دن پوری کائنات فنا ہو جائے گی۔ یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے، ہم تمام تر مشکلات کے باوجود زندگی کے چار مقاصد کی تکمیل کے لیے یہاں تھوڑے سے وقت کے لیے آئے ہیں۔ جو لوگ زندگی کے چار مقاصد حاصل کر لیں گے، انہیں جنت سے

نوازا جائے گا جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ دوسری طرف وہ لوگ جو زندگی کے چار مقاصد کو حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے وہ جہنم کے مکین ہوں گے، جہاں وہ اپنے گناہوں، انسانیت کے خلاف جرائم اور دنیاوی زندگی میں پھیلائے گئے فساد کے نتیجے میں ہمیشہ رہیں گے۔ اے مسلمانو، نبیؐ نے فرمایا: "بے شک اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے" (مسلم 2564)۔ یعنی صرف اخلاص اور نیک اعمال ہی انسان کو قیامت کے دن فائدہ دیں گے، نہ اس کی جلد کا رنگ اور نہ ہی اس کا حسن اور نہ ہی اس کا نسب اسے جہنم کے گڑھے میں گرنے سے بچا سکے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: نہایت مہربان (ربّ) نے اس قرآن کی تعلیم دی ہے۔ اُسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اور اسے سمجھ عطا کی۔ سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں۔ اور تارے اور درخت سب سجدہ ریز ہیں۔ آسمان کو اس نے بلند کیا اور اس کا توازن قائم کیا، تم توازن میں خلل نہ ڈالو۔ انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک تولو اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو۔ زمین کو اس نے سب مخلوقات کے لیے بنایا (55:1-10)۔ اگر ہم غور کریں کہ ہم اللہ کے فطری اور اخلاقی قوانین کی کتنی خلاف ورزی کرتے ہیں تو ہم تسلیم کریں گے کہ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ ہم محفوظ ہیں۔ اس لیے سوال یہ نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تکلیف کیوں دیتا ہے، بلکہ ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہماری ناخلفیوں اور غفلتوں کے باوجود ہماری کتنی حفاظت کی اور بچایا ہے۔ اسی لیے قرآن کہتا ہے: اگر کہیں وہ لوگوں کو اُن کے کرتوتوں پر پکڑتا تو زمین پر کسی مُتَنَفِّس کو جیتا نہ چھوڑتا۔ مگر وہ انہیں ایک مقرر وقت تک کے لیے مہلت دے رہا ہے۔ پھر جب اُن کا وقت آن پورا ہو گا تو اللہ اپنے بندوں کو دیکھ لے گا (34:45)۔ اللہ تب ہی لوگوں/معاشرے کو سزا دیتا ہے جب وہ اپنی اخلاقیات (انصاف) کھو بیٹھتے ہیں، یعنی اس ہدایت کو رد کرتے ہیں جو اس نے کسی نبیؑ کے ذریعے ان کے لیے بھیجی تھی۔ قرآن نبیؐ سے کہتا ہے: اے نبیؐ، اگر وہ (یعنی کفار) آپؐ کو جھٹلاتے ہیں تو اُن سے پہلے قومِ نوحؑ اور عاد اور ثمود اور قومِ ابراہیمؑ اور قومِ لوط اور اہلِ مدین بھی جھٹلا چکے ہیں اور موسیٰؑ بھی جھٹلائے جا چکے ہیں۔ ان سب منکرینِ حق کو میں نے پہلے مہلت دی، پھر پکڑ لیا۔ اب دیکھ لو کہ میری عقوبت کیسی تھی۔ کتنی ہی خطاکار بستیاں ہیں جن کو ہم نے تباہ کیا ہے اور آج وہ اپنی چھتوں پر الٹی پڑی ہیں، کتنے ہی کنوئیں بیکار اور کتنے ہی قصر کھنڈر بنے ہوئے ہیں (22:42-45) (یعنی جب انہوں نے ہدایت کے آگے جھکنے سے انکار کر دیا)۔

مصائب بھی لوگوں کے لیے امتحان اور آزمائش کی ایک شکل ہے۔ اللہ اس کی اجازت اس لیے دیتا ہے تاکہ وہ لوگوں کے صبر واستقامت کا امتحان لے سکے۔ اللہ کے تمام انبیاء اور رسولوں نے مصائب کا سامنا کیا۔ قرآن میں حضرت ایوبؑ کا ذکر ایک ایسے نبی کے طور پر کیا گیا ہے جو بہت صبر کرنے والے تھے۔ اچھے لوگ بھی دکھ سہتے ہیں لیکن ان کی تکلیف ان کے معاشرے کے لیے بھلائی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ شہداء اپنے لوگوں کو ظلم سے نجات اور آزادی کے لیے لڑنے کی تحریک دیتے ہیں۔ دکھ ایک امتحان بھی ہو سکتا ہے، دوسروں کو آزمانے کے لیے کہ وہ اس پر کیا ردعمل ظاہر کرتے ہیں، کیا وہ ضرورت مندوں کے لیے اپنی آسائشیں قربان کرنے کو تیار ہیں؟ مختصراً، ہم کہہ سکتے ہیں کہ مصیبتیں ہمیں یہ سکھانے کے لیے آتی ہیں کہ ہمیں اللہ کے فطری اور اخلاقی قوانین پر عمل کرنا چاہیے۔ یہ اللہ پر ہمارے ایمان اور انسانی اقدار سے ہماری وابستگی کا امتحان بھی ہیں۔

جب بھی ہمیں مصائب کا سامنا کرنا پڑے تو ہمیں اپنے آپ سے پوچھنا چاہیے: ا) کیا ہم نے اللہ کے کسی قانون کی خلاف ورزی کی ہے؟ اگر ایسا ہے تو اپنی اصلاح کریں۔ ب) "کیا یہ سزا ہو سکتی ہے؟" اگر ایسا ہے تو اللہ سے توبہ کریں، استغفار کریں، اور اپنی اصلاح کریں۔ ج) "کیا یہ ہمارے لیے آزمائش اور امتحان ہو سکتا ہے؟" اگر ایسا ہے تو پھر صبر اور استقامت کے ساتھ امتحان پاس کرنے کے لیے محنت کریں۔ ہمیں اپنی غلطی کو تسلیم کرنا چاہیے جیسا کہ ہمارے جدامجد آدمؑ نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا تھا، جس کی وجہ سے غلطی کی اصلاح ممکن ہوئی۔ اور شیطان کی طرح نہ بنو جس نے اپنی غلطی کو ماننے سے انکار کیا تھا، جو اپنے تکبر میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ وہ صحیح تھا اور اللہ کو انسان کو پیدا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے، وہ ہر ممکن حد تک برائی کو فروغ دیتا ہے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو گمراہ کر سکے، جس طرح اس نے آدم اور حوا کو گمراہ کیا تھا۔ قرآن نے شیطان کا قول نقل کیا ہے: دیکھ تو سہی، کیا یہ اس قابل تھا کہ تو نے اسے مجھ پر فضیلت دی؟ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں اس کی پوری نسل کی بیخ کنی کر ڈالوں، بس تھوڑے ہی لوگ مجھ سے بچ سکیں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اچھا تو جا، ان میں سے جو بھی تیری پیروی کریں، تجھ سمیت ان سب کے لیے جہنم ہی بھرپور جزا ہے" (17:62-63)۔ درج ذیل حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ شیطان اپنے ساتھ انسانوں کی ایک بہت بڑی اکثریت کو جہنم کی آگ میں لے جائے گا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے آدمؑ کو بلایا جائے گا۔ اسے اس کی اولاد دکھائی

جائے گی اور کہا جائے گا کہ یہ تمہارا باپ آدم ہے۔ آپؑ کہیں گے، میں حاضر ہوں آپ کی خدمت میں۔ اللہ کہے گا: اپنی اولاد میں سے جہنم میں بھیجے جانے والوں کو نکال لاؤ۔ آپؑ پوچھیں گے یا ربّ میں کتنے نکالوں؟ اللہ کہے گا "ہر سو میں سے ننانوے نکالو۔" صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! اگر ہر سو میں سے ننانوے نکالے جائیں تو ہم میں سے کیا بچے گا؟" آپؐ نے فرمایا: "میری امت دیگر امتوں کے درمیان ایسی ہے جیسے کالے بیل پر سفید بال" (بخاری6529)۔ ایک دوسری حدیث میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے لے آؤ (بخاری3348)۔ اے مسلمانو، جب تک ہم اپنے آپ کو اللہ کے رنگوں (صفات) میں رنگ نہیں لیتے اور زندگی کے چار مقاصدِ حیات میں مہارت حاصل نہیں کر لیتے، جنت میں داخلہ قریب قریب ناممکن ہے۔ جنت کا باسی ہونے کے لیے ہمیں زندگی کے دوسرے اور تیسرے مقصدِ حیات میں لازمی مہارت حاصل کرنا ہو گی، ورنہ اس بات کا واضح امکان ہے کہ ہم جہنم کے باسی ہوں گے۔

اسی لیے رسول اللہؐ نے فرمایا: مومن کی مثال تازہ پودے کی سی ہے، ہوا جس سمت سے بھی آئے جھک جاتا ہے (عاجزی سے)، لیکن جب ہوا رُک جاتی ہے تو پھر سیدھا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مومن پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت کو دور کر دیتا ہے۔ جبکہ فاسق آدمی صنوبر کے درخت کی مانند ہے جو سیدھا رہتا ہے (تکبر میں) یہاں تک کہ اللہ جب چاہے اسے توڑ ڈالتا ہے" (بخاری5644)۔

اے مسلمانو، قرآن میں اللہ نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر شکر گذار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفرانِ نعمت کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے (14:7)۔ مزید اللہ نے قرآن میں فرمایا: جو کوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔ اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اُس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔ جو اللہ پر بھروسا کرے اس کے لیے وہ کافی ہے، اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے (65:2-3)۔ اے مسلمانو، ہم اللہ سے ضرورتیں تو ہر وقت مانگتے ہیں اگر کبھی اس کی محبت بھی طلب کر لیا کریں تو وہ بے انتہا خوش ہو گا۔ اے اللہ ہمیں اپنی محبت کا فضل عطا فرما، ہماری رضا کو اپنی رضا سے جوڑ دے، اے اللہ ہم سے ہمارے اعمال کے بارے میں سوال نہ کر، ہمیں اپنی رحمت اور اپنا فضل عطا فرما۔ ہمیں صرف اپنی رضا اور تیری محبت کی ضرورت ہے۔

۔آمین۔